ALLAH IS PREPARING US FOR VICTORY

IMAM ANWAR AL-AWLAKI

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اللہ ہمیں (مسلمانوں کو) فتح کے لیے تیّار فرما رہا ہے!

زیرِ نظر تحریر ان مسلمانانِ عالم کے نام منسوب ہے جو کفر اور تاریکی کے افق پر اللہ کے نور ہدایت کے متلاشی ہیں۔ بشارت ہے اے مؤحّد! جان لو کہ نصرتِ الٰہی کی آمد ہے، اگر تم دیکھو تو۔۔۔

﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں، اور اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر رہنے کا نہیں، اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔ (التوبۃ 32:9)

# فہرست

# جملہ حقوق تمام مسلمانوں کے لئے ہیں!!!


| | |
|---|---|
| نام کتاب | اللہ ہمیں (مسلمانوں کو) فتح کے لیے تیّار فرما رہا ہے! |
| مئولف | امام انور العولقی حفظہ اللہ |
| ترجمہ | بنت الاسلام حفظہا اللہ |
| تزئین و آرائش | ابو عائشہ السلفی حفظہ اللہ |
| کمپوزنگ | بنت الاسلام حفظہا اللہ |
| سرِورق | ابو عمیر السلفی حفظہ اللہ |
| ناشر | مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان |
| ڈسٹری بیوٹر | ...... |
| اشاعت | ...... |
| تعداد | ...... |
| قیمت | ...... |

انٹر نیٹ ایڈیشن:

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان
Website: http://www.muwahideen.co.nr
Email: salafi.man@live.com

# امام انور العولقی حَفِظَہُ اللہ کے بارے میں

امام انور العولقی حَفِظَہُ اللہ مسلم عالم ہیں جو نیو میکسیکو (امریکہ) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدین کا تعلق یمن سے ہے، جہاں امام نے گیارہ برس کا عرصہ گذارا اور اپنی ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔

امام انور العولقی حَفِظَہُ اللہ نے پہلے کولوراڈو، کیلیفورنیا میں بحیثیت امام خدمات سر انجام دیں اور بعد ازاں واشنگٹن ڈی سی میں بھی جہاں، وہ دار الہجرۃ اسلامک سینٹر کے سربراہ بھی تھے اور جارج واشنگٹن یونیورسٹی میں مسلم رہنمائے دین بھی رہے۔ ان کا امریکہ اور یمن (جہاں وہ ممتاز علمائے دین سے شریعت کی تعلیم حاصل کر رہے تھے) کے مابین سفر کا سلسلہ جاری رہتا، مگر بعد ازاں ان پر امریکی شہری ہونے کے باوجود امریکہ میں دوبارہ داخلے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ امام حَفِظَہُ اللہ کولوراڈو اسٹیٹ یونیورسٹی سے سِول انجینئرنگ میں بی ایس ڈگری اور سان ڈائیگو سٹیٹ یونیورسٹی سے ایجوکیشن لیڈرشپ میں ایم اے ڈگری کے حامل ہیں، مزید وہ جارج واشنگٹن یونیورسٹی سے ہیومن ریسورس ڈیویلپمنٹ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول پر کام کر رہے تھے۔ انہوں نے بہت سی معروف صوتی / لیکچر سیریز مرتب کیں جن میں 'حیات الانبیا'، 'آخرت'، 'محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حیات طیبہ'، 'حیات و دورِ عمر بن الخطاب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ '، 'حیات و دورِ ابو بکر الصّدّیق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ '، 'ابن الاقوی کی کہانی'، 'راہ جہاد پر ثابت قدم' اور دیگر شامل ہیں۔

امام حَفِظَہُ اللہ صنعاء، یمن میں کفّار اور مرتدّین کے ہاتھوں گرفتار کیے گئے۔ ان کی گرفتاری کا معاملہ واضح نہیں ہے لیکن بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ غالباً اس کا تعلق ان کے ۱۱ ستمبر کے ہائی جیکرز سے کچھ روابط ہونے سے ہے۔ واللہ اعلم! امام حَفِظَہُ اللہ ان عظیم علماء میں شمار ہوتے ہیں جو پوری امّت پر، جہاد کی سرزمینوں میں، جہاد فی سبیل اللہ کے فرض عین ہونے کے داعی ہیں۔ کچھ لوگوں کا اب کہنا ہے کہ امام حَفِظَہُ اللہ قید سے رہا کئے جا چکے ہیں؛ یمن کے گلی کوچوں میں یہی رائے مشہور ہے! اگر یہ امر حقیقت ایسا ہی ہے تو پھر اللہ انہیں اعدائے دین کے سینوں پر بھاری پتھر بننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

# مدیر کے قلم سے

ہم اللہ کے تعریف خواں اور شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں اشاعتِ دین کی توفیق عطا فرمائی، اس طریقے سے کہ جو اس نے ہمارے لئے منتخب فرمایا۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ زمین و آسمان میں کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ کے، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اس کے آخری رسول ہیں جو کہ تمام نوعِ انسانی کے لئے رحمت اور حق و باطل کا قاسم (تقسیم کرنے والا) بنا کر بھیجے گئے۔ ہم یہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ تمام طواغیت اللہ کے دشمن ہیں اور ان کے لئے ہماری دشمنی اور برأت ہے، اور اللہ اس کے رسول ﷺ اور مؤمنین کے لئے ہماری محبت اور ولایت ہے۔

الحمدللہ، ثمّ الحمدللہ

**الموحدین ویب سائٹ**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اللہ ہمیں (مسلمانوں کو) فتح کے لیے تیّار فرما رہا ہے!

امام انور العولقی حفظہ اللہ

## ۱ جب اللہ کو کچھ منظور ہوتا ہے تو وہ اس کے اسباب تخلیق فرما دیتا ہے

اس عنوان کا انتخاب امام ابن اَثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پر لکھی گئی کتاب 'الکامل' سے کیا گیا ہے۔ اگر اللہ عزّوجل کو کوئی انجام منظور ہوتا ہے تو وہ ایسے اسباب تخلیق کر دیتا ہے جو اس انجام کے واقع ہونے میں نتیجہ خیز ہوتے ہیں۔ اگر اللہ عزّوجل اس امّت کے لئے فتح کا ارادہ فرماتا ہے تو اللہ عزّوجل اس کے لئے اسباب بھی تخلیق فرما دے گا۔ چنانچہ حالاتِ حاضرہ کو دیکھتے ہوئے آپ کو فتح کی آمد کے واضح آثار محسوس ہو سکتے ہیں۔

اگر ہم اس قانون کو درست تصور کرتے ہیں تو پھر ہمیں اس بات کو ثابت کرنے کے قابل ہونا چاہیئے کہ انجام قریب آ رہا ہے یا نہیں۔ عمومی طور پر، فتح کے معاملے سے متعلق، اللہ عزّوجل نے قرآن میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں وعدہ فرمایا ہے کہ آخر کار یہ امّت فتحیاب ہو گی، لہٰذا یہ ہم سب کے لئے 'یقین' کا معاملہ ہے۔ جب ہم کہتے ہیں 'یقین' تو پھر یہ ہمارے لئے ایک عقیدے کی طرح کا معاملہ ہے؛ سو بحیثیت مسلمان اب آپ پر ایمان رکھنا لازم ہے کہ یہ امّت فتحیاب ہو گی، اور اگر آپ یہ یقین نہیں رکھتے تو پھر آپ کے ایمان کے ساتھ کوئی مسئلہ در پیش ہے۔ کیوں؟ وہ اس لئے کہ امر کا ثبوت فراہم کرنے والی 'دلیل' انتہائی قوی ہے. چند دلائل حسبِ ذیل ہیں:

اللہ عزّوجل فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾

اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔ (الانبیاء:105:21)

چنانچہ اللہ عزّوجل کے نیکوکار بندے زمین کے وارث ہوں گے۔

اللہ عزّوجل فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾

اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے۔ کہ وہی کامیاب رہیں گے۔ اور ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا۔(الصافات37:171-173)

اللہ عزّوجل فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

زمین تو اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے، اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔(الاعراف7:128)

چنانچہ اللہ اسے چاہے تو کافر کو دے یا مؤمن کو دے، لیکن اللہ تعالی آیت کا اختتام یہ فرما کر کر رہے ہیں کہ مؤمن کو ہی زمین کی وراثت ملے گی۔

﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے (پھونک مار کر) بجھا دیں، اور اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر رہنے کا نہیں، اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔(التوبۃ9:32)

اب جو کافر ہیں وہ یہ کرنا چاہ رہے ہیں کہ اللہ عزّوجل کے نور کو بجھا دیں؛ اور اللہ عزّوجل کا نور اسلام ہے...... محمد ﷺ کی رسالت۔ وہ اسلام کی پیش رفت کو روکنا چاہتے ہیں اور اللہ عزّوجل فرماتے ہیں کہ وہ ناکام و نامراد ہوں گے۔ جب ہم مال و دولت کی

اس مقدار کو دیکھتے ہیں جو وہ اسلام کے خلاف صرف کر رہے ہیں تو وہ حیران کن ہے؛ اور آپ سوچتے ہیں کہ اللہ عزّوجل نے ان کفّار کو کس قدر عطا کر رکھا ہے، اور ان کے ہاتھوں میں کس قدر وسائل ہیں، اور وہ یہ سب کچھ اسلام کے خلاف استعمال کر رہے ہیں! کبھی آپ یہ شکوہ کرتے ہیں کہ انہوں نے ذرائع ابلاغ (میڈیا) کو اپنی مضبوط گرفت میں لے رکھا ہے، وہ دنیا کے ہر طاقتور اخبار کو کنٹرول کر رہے ہیں، وہ دنیا کے ہر طاقتور ریڈیو اسٹیشن کو کنٹرول کر رہے ہیں، وہ دنیا کے ہر طاقتور اخبار کو کنٹرول کر رہے ہیں، اور وہ کرہ ارض کے ہر طاقتور ذریعۂ ابلاغ کو کنٹرول کر رہے ہیں، وہ حکومتوں اور پولیس کے محکموں کو کنٹرول کر رہے ہیں، وہ تمام تر کرہ ارض کو ہی کنٹرول کر رہے ہیں۔ ان کے پاس یہ تمام تر مال و دولت ہے جبکہ ہمارے پاس ان سے لڑنے کا کوئی ذریعہ نہیں لہٰذا ہمیں ہتھیار ڈال دینے چاہئیں اور ان سے معاملات کے متبادل راستے اختیار کرنے چاہئیں؛ ہمیں ان سے مقابلے کی ٹکر نہیں لینی چاہیئے کیونکہ ہمارا کسی طرح بھی ان سے جوڑ یا مقابلہ نہیں ہے! ہمیں ان سے مقابلہ کرنے کے لئے پالیسیاں اور سفارتی ذرائع استعمال میں لانے چاہئیں۔

مگر اللہ عزّوجل فرماتے ہیں:

﴿فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ﴾

سو ابھی وہ اور خرچ کریں گے، مگر آخر وہ (خرچ کرنا) ان کے لیے (موجب) افسوس ہو گا اور مغلوب ہو جائیں گے۔ (الانفال 8:36)

چنانچہ انہیں اپنا مال و دولت خرچ کر لینے دیجئے کیونکہ اسی طرح ان کی شکست ہونی ہے، جیسے کہ اللہ عزّوجل کا فرمان ہے کہ پہلے انہیں اپنا مال و دولت خرچ کرنا ہو گا اور اس کے بعد انہیں شکست کا سامنا ہو گا۔ لہٰذا ہمیں خوش ہونا چاہیئے کہ وہ اسلام کے خلاف اپنا مال و دولت خوب صرف کر رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی نصرت قریب ہے؛ اور وہ اس کی جانب رواں دواں ہے!

اب وہ خود اس پر بات چیت کر رہے ہیں کہ افغانستان اور عراق میں جنگیں کس طرح انہیں ویتنام اور کوریا کی جنگوں سے زیادہ مہنگی پڑ رہی ہیں۔ کوریا کی جنگ میں آنے والی لاگت تقریباً ۲۰۰ بلین ڈالر تھی اور ویتنام کی جنگ میں انہیں ۴۰۰ بلین ڈالر کی لاگت آئی جبکہ عراق جنگ میں انہیں تقریباً ۸۰۰ بلین ڈالر یا اس سے زیادہ لاگت کا سامنا ہے اور جس انداز میں یہ جاری ہے اس

سے ان کی معیشت موت کے منہ میں دھکیلی جا رہی ہے اور یہ امر بعینہٖ اس آیت کے ہے؛ لہٰذا وہ مال و دولت خرچ کریں گے اور وہ اس پر پچھتائیں گے کیونکہ عراق و افغانستان کی جنگیں ان پر مسلط نہیں کی گئیں تھیں بلکہ انہوں نے خود اس وبالِ جنگ کو دعوت دی تھی، سو وہ اپنے آپ کو اس وبال میں الجھانے پر پچھتائیں گے، یہ تمام مال و دولت خرچ کرنا، دیوالیہ ہو جانا اور پھر شکست سے بھی دوچار ہو جانا۔

بالکل جس طرح ابو جہل نے بدر میں مسلمانوں کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ مسلمان بدر کی جانب قافلوں کا پیچھا کرتے ہوئے پہنچے تھے۔ قافلہ محفوظ تھا، ابو سفیان نے ابو جہل، جو کہ اس وقت فوج کا سربراہ تھا- کو خط بھیجا کہ اب واپس مکہ روانہ ہو جائیں چونکہ قافلہ محفوظ ہے اور وہ مسلمانوں سے بچ نکلنے میں کامیاب رہا ہے۔ لیکن ابو جہل نے کہا، **'نہیں، ہم جائیں گے اور ان سے لڑیں گے! ہم بدر جائیں گے اور وہاں تین دن عیش کریں گے اور ہم شراب پیئیں گے اور عورتیں ہمارے لئے گانا بجانا کریں گی پس تمام اہل عرب کو ہماری اس مہم جوئی کا علم ہو جانا چاہیئے اور اس بات کا کہ قریش کو پست نہیں کیا جا سکتا'**۔ چنانچہ انہوں نے وہاں تین دن عیش و مستی کرنی تھی تاکہ یہ خبر تمام عرب میں پھیل جاتی اور لوگوں کو خبردار کر دیتی کہ آئندہ کوئی قریش سے نہ الجھے۔

پس ابو جہل نے جنگ کا راستہ اختیار کیا اور یہی معاملہ امریکہ کے ساتھ بھی درپیش ہے؛ انہوں نے اس جنگ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اس کا نتیجہ ہمیں پہلے سے ہی معلوم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزّ و جل حدیث قدسی میں فرماتے ہیں:

**"جو کوئی میرے اولیاء (دوستوں) سے دشمنی رکھیں گے، میں ان کے خلاف جنگ کروں گا"**۔ (حدیث قدسی 25: البخاری)

چنانچہ یہ مسلمان نہیں جو ان کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں بلکہ یہ اللہ عزّ و جل ہے! امریکہ اس وقت اللہ عزّ و جل کے ساتھ حالت جنگ میں ہے!

اللہ عزّ و جل فرماتے ہیں:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم اور پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد انہیں امن بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔(النور 24:55)

خلافت انہیں عطا کی جائے گی جن کے پاس ایمان ہے اور جو اعمال صالحات کرتے ہیں۔ مسلمان اس وقت حالتِ خوف میں ہیں۔ اس آیت میں اللہ عزّوجل ہم سے وعدہ فرما رہے ہیں کہ وہ ہمیں امن عطا فرمائیں گے۔ اللہ عزّوجل نے اس امّت سے خلافت کا وعدہ فرمایا ہے، اور اس نے امن کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ کہ اس کا دین نافذ ہو گا۔

## 2 خلافت کی نشاۃ ثانیہ اور اپنے دورِ رواں کے بارے میں شکوہ نہ کرو

حدیث پاک کہ جس سے آپ بخوبی واقف ہوں گے کیونکہ یہ تاریخ کے مختلف مراحل کے بارے میں تذکرہ لئے ہوئے ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم لوگوں میں نبوت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر اللہ اسے ہٹا دے گا۔ پھر اس کے بعد خلافت راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ کا دور رہے گا۔ یہ تب تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر اللہ اسے ہٹا دے گا۔ اس کے بعد ملوکیت کا دور ہو گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب چاہے گا اسے ہٹا دے گا۔ اس کے بعد شدید جبر و استبداد کا دور ہو گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب چاہے گا اسے ہٹا دے گا۔ پھر خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ قائم ہو جائے گی۔' اس کے بعد آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کر لی“۔

(مسند امام احمد 5/273؛ نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی)

اس حدیث کے آغاز میں جس نبوت کا ذکر ہے اس کا اختتام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر ہو گیا۔ اس سے اگلا دور خلافت راشدہ کا ہے اور یہ ابو بکر صدیق سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کا ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ اس کے بعد ملوکیت (بادشاہت) ہو گی جو کہ بنو امیہ، بنو عباس اور خلافت عثمانیہ تھیں۔ پھر اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ آمریت ہو گی، جس میں کہ ہم آج رہ رہے ہیں، یہ جبر واستبداد کا دور ہے۔ پھر اس کے بعد خلافت راشدہ ہو گی۔ (نوٹ: خلافت راشدہ کے بعد اور کچھ نہیں آنا، یہ دنیا کا اختتام ہو گا اور اس حدیث میں اس بات کا اشارہ اس امر سے ملتا ہے کہ ان تمام کے تذکرے کے بعد رسول اللہ رضی اللہ عنہم نے خاموشی اختیار کر لی۔)

کبھی کبھار ہم اپنے دور کے بارے میں شکوہ کرتے ہیں، کہ ہم بد ترین دور میں رہ رہے ہیں - امّت کمزور ہے، امّت رو بہ زوال اور منتشر ہے، کاش ہم دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یا پھر اسلام کے دور شجاعت میں رہ رہے ہوتے۔

ہمیں اپنے دور کے بارے میں مندرجہ ذیل اسباب کی بنیاد پر شکوہ نہیں کرنا چاہئیے:

## ☆ پہلا سبب:

تابعین رحمۃ اللہ علیہم (صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کی نسل) میں سے ایک نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

’جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کے درمیان تھے تو آپ ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے ؟‘ صحابی رضی اللہ عنہ بیان فرمانے لگے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح کا برتاؤ ہوتا اور وہ اس سلسلے میں کیسے اپنی بہترین کوشش کرتے۔ تابعی رحمۃ اللہ علیہ جواباً فرمانے لگے، ’اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دور میں ہوتے تو ہم انہیں اپنے کندھوں پر اٹھا کر رکھتے۔‘ بالفاظ دیگر وہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدرجۂ کمال بہترین برتاؤ نہیں کیا اور اگر وہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اب ان میں موجود ہوتے تو، تو یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ بہتر سلوک کرتے۔ صحابی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، ’انسان یہ نہیں جانتا کہ اگر وہ کسی خاص وقت (موقع) پر موجود ہوتا تو اصل میں کیا رویہ اختیار کرتا؛ ہم اپنے آباء اور برادریوں سے لڑ رہے تھے اور یہ کوئی آسان بات نہ تھی........ اب تمہارے آباء، بھائی بند اور خاندان مسلمان ہیں اور تم خیال کرتے ہو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خاص انداز میں برتاؤ کرتے۔ تم اس چیز کے بارے میں سوال یا خواہش نہ کرو جو اللہ نے تمہارے لئے مقدر نہیں کی۔‘ (امام انور حفظہ اللہ نے صحابی رضی اللہ عنہ کا قول مکرر بیان کیا۔)

## ☆ دوسرا سبب:

ہمیں اپنے دور کے بارے میں شکوہ نہیں کرنا چاہئیے بلکہ ہمیں اللہ عزّوجل کا شکر گذار ہونا چاہئیے کہ ہم اس دور میں رہ رہے ہیں۔ کیوں بھلا؟ اگر آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کو دیکھیں تو یہ امّت مسلمہ میں بلند ترین ہے؛ وہ اعلی وارفع ترین اور سب سے بہترین ہیں۔ اور پھر تابعین رحمۃ اللہ علیہم ہیں اور پھر جو ان کے بعد آئے (تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم) ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے بہترین کیونکر تھے؟ چند ایک وجوہات میں سے یہ ہیں کہ انہوں نے اسلام کی عین ابتدائی بنیاد ڈالی؛ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقت کچھ بھی نہیں تھا پس انہوں نے دین کی بنیاد قائم کی جبکہ جو کوئی بھی ان کے بعد آئے تو ان کے لئے تیار عمارت پہلے سے موجود تھی، بس وہ اس بنیادی تعمیر میں اِدھر اُدھر اپنا حصے کا اضافہ کرتے رہے، اور کہیں ٹوٹ پھوٹ کے آثار ہوتے، جیسے بدعت (دین میں اختراع) تو وہ اس کی اصلاح کر دیتے۔ مگر بنیاد پہلے سے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعمیر کر چکے تھے۔ اور اسی بات نے انہیں افضل ترین نسل کا مقام عطا کیا کیونکہ ان کا فریضہ مشکل ترین تھا۔ ہمارے لئے اس بات کو سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ہمارے دور کے کیا تقاضے ہیں تاکہ ہم انہیں پورا کر سکیں، کیونکہ، بطور مثال، جن امور پر تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے زور دیا وہ ان سے مختلف تھیں جن کو تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے اہمیت دی۔

اس نکتے کی مزید واضح کرنے کے لئے: اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک سو سال بعد آتے اور اس وقت وہ اپنا وہی کام کرتے (جو اصل میں کیا)، تو آج ہمارے نزدیک امام بخاری کو وہ مقام حاصل نہ ہوتا جو اس وقت ہے۔ اگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک سو سال بعد آتے اور اس وقت وہ اپنا وہی کام کرتے (جو اصل میں کیا)، تو انہیں آج ہمارے نزدیک وہ مقام حاصل نہ ہوتا جو اس وقت ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ مختلف ادوار کی ضروریات مختلف تھیں۔

آپ نوٹ کریں گے کہ فقہ کے چاروں اماموں نے ایک ہی صدی میں زندگی بسر کی اور حدیث کے چھ اماموں نے بھی اسی صدی میں زندگی بسر کی (آئمہ حدیث اس صدی کے آخر میں وارد ہوئے۔) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت کی ضرورت فقہ تھی تو دوسرے وقت کی ضرورت حدیث تھی۔ میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر ہم اپنے دور میں اسلام کی بہترین خدمت کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس وقت کے تقاضے اور اس وقت کی ضروریات کیا ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے کچھ بھائی دعوۃ پر زور دیتے ہیں اور کچھ علم کی جانب اصرار کریں گے۔ ہمیں یقیناً ان اور دیگر ہر میدان کی جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے، لیکن اگر ہم اپنے آپ سے یہ سوال پوچھیں کہ ہمارے آج کے دور میں کس چیز کی سب

سے زیادہ ضرورت ہے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے قدرے مماثل ہے کیونکہ اب ہم ان چودہ سو سالوں میں سب سے ادنی ترین مقام پر پہنچ چکے ہیں۔

سو ہمارا یہ دور کہ جس کے بارے میں ہم شکوہ کناں ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کے تمام ادوار میں سے نسبتاً سب سے زیادہ ان رضی اللہ عنہم کے دور سے مماثلت رکھتا ہے اگرچہ کہ بعینہ یہ دور صحابہ کرام کے دور جیسا نہیں ہے۔ بھلا ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے اس وقت کوئی اسلامی اقتدار نہیں تھا اور آج بھی کوئی اسلامی اقتدار نہیں ہے اور یہ معاملہ چودہ سو سالوں میں اس طرح نہیں رہا تھا۔ جس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آئے تو انہوں نے اپنے ارد گرد سب سے مقابلہ کیا، بشمول اس وقت کی دو عالمی طاقتوں کے -سلطنتِ فارس و سلطنتِ روم- اور ان کے گرد و نواح کے تمام عرب جو کہ ان کے مخالف تھے۔ اور یہ آج ہماری صورتحال کی مانند ہے اور ہماری تاریخ میں اس سے قبل ایسا نہیں ہوا۔ ہماری گذشتہ تاریخ میں آپ کو اسلامی اقتدار نظر آئے گا، آپ کو حق پر آپ کی معاونت کرنے والے لوگ نظر آئیں گے اور جائے ہجرت کا وجود نظر آئے گا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ سارا عالم ہمارے خلاف بر سرِ پیکار ہے اور یہ بات دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مانند ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آج کے لوگوں کے لئے اجر بھی دوچند ہو گا۔ ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجر کے برابر ہے مگر یہ بہر حال بہت عظیم اجر ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسل افضل ترین ہے، پھر تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور پھر تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم، آخری وقتوں میں لوگوں کی ایک ایسی نسل ہو گی کہ جن میں سے ایک کا اجر پچاس کے برابر ہو گا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا، **'ہم میں سے پچاس یا ان میں سے پچاس؟'** تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، **'تم میں سے پچاس۔'**

پس نماز پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز کے جیسی ہو گی۔ آپ ایک دن روزہ رکھو تو وہ پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے روزے کے جیسا ہو گا۔ اجر پچاس سے ضرب کیا گیا ہے، کیوں بھلا؟ اس وقت کی سختی اور دشواری کی وجہ سے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اواخر وقت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو اس امّت میں سے بہترین ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مبارکہ میں فرمایا، **'عدن عبیان سے بارہ ہزار نکلیں گے، وہ اللہ کے دین کو فتح دلائیں گے اور وہ میرے اور ان کے درمیان سب سے بہترین ہوں گے۔'**

(عدن عبیان جنوبی یمن میں واقع ایک جگہ کا نام ہے۔ آج کل اس علاقے میں ایک مستعد اور معروف جہادی تحریک سرگرمِ عمل ہے۔)

وہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور اپنے دور کے درمیان بہترین ہوں گے۔ پس ہم ان تمام صدیوں کو لپیٹ لیں تو وہ سب سے بہترین ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کا دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے مشابہ ترین ہو گا۔

تو پھر اگر آپ ایک ایسے وقت میں زندہ ہیں کہ جس میں سونے کے ایک نئے خزانے کی دریافت ہوئی ہے تو اس میں شکوے کی کون سی بات ہے؟ اور یہ سونے کا خزانہ سونے کا نہیں بلکہ حسنات (نیکیوں) کے سونے کا خزانہ ہے۔ کچھ ایسے وقت ہوتے ہیں جن میں معیشت خوب تیز رفتاری سے ترقی کی جانب گامزن ہوتی ہے اور سب خوب مالدار ہو جاتے ہیں اور پھر کچھ ایسے وقت آتے ہیں جب معاملات جمود اور سست روی کا شکار ہو جاتے ہیں اور پھر وہ لوگ تمنا کرتے ہیں کہ کاش وہ اس دور میں ہوتے جب معیشت رو بہ ترقی تھی تا کہ وہ بھی ان پہلے والوں کی مانند لکھ پتی بن سکتے۔ ہم اس وقت خوشحالی کے دور سے گذر رہے ہیں، مگر ہمیں صرف یہ سمجھنے کی ضرورت ہے، اور اجر کی اس مقدار کا ادراک حاصل کرنے کی ضرورت ہے جو کہ ہماری منتظر ہے صرف اس شرط پر کہ ہم اسے پانے کی خاطر کچھ جدوجہد کریں۔ یہ اجر اتنا عظیم ہے کہ یہ منتظر ہے کہ کوئی بھی آئے اور اس کے لئے کچھ سعی کرے (تو اس کو پالے۔) اگر یہ اجر اس وقت ہوتا جب معاملات آسان ہوتے تو پھر یہ کم ہو جاتا۔ لیکن اگر دور آزمائشوں اور مشکلات کا ہو تو پھر اجر بڑھ جاتا ہے۔

اجر کا مشکلات سے راست تناسب ہے۔ تو پھر ایسے دور سے شکوہ کیسا جو کہ در حقیقت بہت ہی عمدہ دور ہے؟

اگر ہم اس وقت کی بات کر رہے ہیں کہ جب کامیابی بالکل نزدیک پہنچ چکی ہے، اور اللہ بہتر جانتا ہے، اگر ہم علمِ غیب کے اس تجربے سے گذر رہے ہیں کہ جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فرقۂ ناجیہ وہ لوگ ہوں گے جو مہدی کو اور عیسی ابن مریم علیہ السلام کو نصرت دلائیں گے ....... اگر ہم اس وقت سے قریب ہیں تو پھر اجر بھی غیر معمولی طور پر عظیم ترین ہے، اور ہمیں کنارے پر محض تماشائی بن کر کھڑے ہو کر انتظار نہیں کرتے رہنا جب یہ سب واقع ہو رہا ہے اور لوگ لاکھوں کا منافع بنا رہے ہیں، جبکہ آپ گھر بیٹھے کچھ نہیں کر رہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے وقت کے بارے میں شکوہ نہیں کرنا چاہئیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، 'اللہ تعالی نے زمین کو میرے لئے سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھا، اور بے شک عنقریب میری امّت کی سلطنت و حکومت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک کی زمین میرے لئے سمیٹ دی گئی تھی۔'

(صحیح مسلم 2889، ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی)

نوٹ: مکمل حدیث یوں ہے:

صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! اللہ تعالی نے زمین کو میرے سامنے اس طرح سمیٹ دیا کہ مشرق و مغرب تک بیک وقت دیکھ رہا تھا اور میری امت کی حدود مملکت وہاں تک پہنچیں گی جہاں تک مجھے زمین کو سمیٹ کر دکھایا گیا ہے اور مجھے دو خزانے عطاء فرمائے گئے ہیں ایک سرخ اور دوسرا سفید، اور میں نے اللہ تعالی سے اپنی امت کے بارے میں عرض کیا تھا کہ اسے ایک ہی قحط سالی میں صفحہ ہستی سے نہ مٹایا جائے اور یہ کہ میری امت پر مسلمانوں کے علاوہ کوئی خارجی دشمن مسلط نہ کیا جائے جو مسلمان کے بلاد و اسباب کو مباح سمجھے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے جواباً ارشاد فرمایا کے اے محمد (ﷺ) جب میں کسی بات کا فیصلہ کر دیتا ہوں تو اسے ٹالا نہیں جاسکتا۔ میں نے آپ کی اُمت کے بارے میں آپ کو وعدہ دے دیا ہے کہ اسے ایک ہی قحط سالی میں تباہ نہیں کیا جائے گا اور دوسرا یہ کہ ان کے اپنے افراد کے علاوہ کسی دوسرے کو ان پر مسلط نہیں کیا جائے گا جو ان کے مملوکہ مال و اسباب کو مباح سمجھ لے اگرچہ کفر کی ساری طاقتیں اکٹھی ہو کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے جمع کیوں نہ ہو جائیں، ہاں البتہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کرتے رہیں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بناتے رہیں گے۔

پس یہ دین ہر براعظم، ہر ملک اور ہر شہر تک پہنچے گا۔ لا الہ الا اللہ کا علم ہر قریے میں داخل ہو گا۔ یہ دین ہر اس جگہ پہنچے گا جہاں رات اور دن پہنچتے ہیں؛ کیا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں رات اور دن نہ پہنچتے ہوں؟ پس اے کافر، اے منافق...... اگر تم اس دین سے بچ نکلنا چاہتے ہو تو پھر تمہیں مریخ یا کہیں اور جانا ہو گا! تمہارے لئے دنیا میں کوئی جگہ نہیں ہو گی! چنانچہ ہم سب کو اس پر متفق ہونا چاہیئے کہ کامیابی کی منزل قریب ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ 'کب'؟

## 3 فتح قریب ہے:

آیئے ہم ایک دعویٰ کرتے ہیں اور پھر اسے یہ جانچنے کے لئے استعمال کرتے ہیں کہ آیا یہ درست ہے بھی یا نہیں۔ دعویٰ یہ ہے: فتح قریب ہے۔ اب چلئے اسے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میں اس اصول کا اطلاق کروں گا:

**جب اللہ کو کچھ منظور ہوتا ہے تو وہ اس کے اسباب تخلیق فرما دیتا ہے۔**

سب سے پہلی بات: کیا یہ اصول درست ہے یا نہیں؟ آیئے تاریخ کی جانب نظر دوڑاتے ہیں: کیا اللہ عزّ و جل واقعی واقعات کے صادر ہونے کے لئے معاون حالات تیار فرماتے ہیں جو بالآخر مطلوبہ واقعات پر منتج ہوتے ہیں؟ ہم اسے ثابت کرنے کے لئے کچھ مثالوں پر نظر ڈالیں گے۔

## ☆ پہلی مثال:

صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تیرہ برس تک تبلیغ کا کام کر رہے تھے تو وہاں وہ ایک بند راستے تک پہنچ گئے اور اب وہ ایک متبادل راستہ تلاش کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ طائف گئے مگر وہاں والوں نے انہیں مایوس کیا۔ ہر سال، حج کے موسم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے قبائل کے پاس جاتے اور ایک مخصوص سوال کرتے -'**میری معاونت کرو تاکہ میں اپنے رب کا پیغام آگے پہنچا سکوں**' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے قبائل مایوس کر رہے تھے۔

اللہ کی مشیت یہ تھی کہ یہ اجر کسی اور کو ملے (اور وہ تھے): اوس اور خزرج۔ یہ کیسے ہوا؟ اوس اور خزرج ایک لا متناہی جاگیر دارانہ جنگ و جدل میں الجھے ہوئے تھے۔ ہر روز بیدار ہونے کے بعد پھر باہمی کشمکش میں لگ جانا؛ یہ ان کی زندگی کا معمول تھا۔ قدرتی طور پر ایسے مستقل معمول سے کچھ عرصے بعد انسان اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ آپ کتنے ہی ماہر جنگجو ہوں جو ہر شے قربان کر سکتا ہو، مگر سوال یہ ہے کہ یہ سلسلہ کب اور کس لئے ختم ہو گا۔ سو جنگ و جدل کا یہ سلسلہ ان کی برداشت سے باہر نکلتا جا رہا تھا۔ پھر یوم البعاث آیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے متعلق فرماتی ہیں، 'یوم البعاث ایک ایسا دن تھا جو اللہ عزّ و جل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفے کے طور پر عنایت فرمایا تھا۔' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم البعاث سے کوئی سروکار نہیں تھا کیونکہ یہ مدینہ میں تھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت مدینہ سے کوئی سروکار تھا؛ تو پھر یہ یوم البعاث کیا تھا؟ یہ وہ دن تھا کہ جس دن دونوں قبیلے آپس میں دوبدو ہوئے اور دونوں کی اعلی قیادت خونریزی کا شکار ہو کر لقمۂ اجل بن گئی۔ چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے تو ان کے 'ملأ' (قیادت) ختم ہو چکے تھے، ان لوگوں کے سردار مر چکے تھے اور وہ خود زخمی حالت میں تھے۔

آپ نے مطالعۂ قرآن کے دوران میں اگر کبھی آپ نے غور کیا ہو تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ جو لوگ انبیاء کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں وہ ایک مخصوص طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو انبیاء کے خلاف کھڑے ہوتے ہیں وہ کون لوگ ہیں؟ یہ لوگوں کا ایک مخصوص طبقہ ہے جسے قرآن 'ملأ' کا خطاب دیتا ہے۔ یہ ملأ کون ہیں؟ یہ 'قیادت' ہے جو کہ چاہے سیاسی ہو، اقتصادی ہو، ابلاغ عامہ سے متعلق ہو یا سماجی ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو انبیاء کے مخالف بر سر پیکار ہوتے ہیں۔ کیوں بھلا؟ کیونکہ انہیں یوں لگتا ہے کہ کسی بھی تبدیلی کے نتیجے میں وہ اپنے سابقہ (اعلیٰ) مقام سے محروم ہو جائیں گے۔ جمود کی حالت سے صرف اہلِ قیادت مستفید ہوتے ہیں اور وہ اس میں کسی تبدیلی کے خواہاں نہیں ہوتے، لہٰذا وہ انبیاء کی دعوت و تبلیغ میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انبیاء اختیارات کو ان سے چھین کر کتاب اللہ کو تفویض کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ پس نتیجتاً تمام لوگ برابر ٹھہرائے جاتے ہیں اور عوام کے درمیان خلافت کا تقرر صرف اللہ کے قانون کے نفاذ کی خاطر کیا جاتا ہے نہ کہ اپنے ذاتی اور حسبِ منشا قوانین کے نفاذ کی خاطر۔ ابو بکر صدیق اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما منصبِ خلافت پر اپنے ذاتی مفادات کی خاطر نہیں تھے، بلکہ وہ وہاں کتاب اللہ کے نفاذ کی خاطر تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایسا شخص 'مسئول' کہلاتا ہے، یعنی جس سے روزِ محشر جوابدہی ہو گی۔ ذمہ داری کا منصب آپ کو ایک ایسی جگہ لا کھڑا کرتا ہے جہاں آپ روزِ حساب اللہ عزّوجل کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ سو یہ تو ایک ایسی جگہ ہے جہاں کوئی بھی کھڑا ہونا نہیں چاہتا؛ خلفاء کو بھی اس منصب کے لئے زور دے کر قائل کرنا پڑتا تھا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بیعت دینا چاہتے تھے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پرزور اصرار کر کے منتقل کی۔ پھر لوگ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو خلافت قبول کرنے کا کہنے لگے تو ان کے والد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، **'میں نہیں چاہتا کہ روزِ حساب میرے خاندان کے دو افراد اس منصب کے ساتھ پائے جائیں۔'**

سو ملأ (سرداران) وہ ہیں جو اسلام کے خلاف نبرد آزما ہوتے ہیں؛ یہ فرعون، قارون، ابو جہل، اور ابو لہب جیسے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ملأ ہونے کی وجہ سے ملنے والی دولت، منصب، شہرت اور عزت سے مستفید ہو رہے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ ہی اصل میں خسارے میں ہوتے ہیں کیونکہ باوجود یکہ لوگ انہیں آزاد سمجھتے ہیں، یہ آزاد نہیں ہوتے۔ اگر آپ ایک انسانوں کے وضع کردہ نظام کے تحت رہ رہے ہوں تو آپ آزاد نہیں ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ جب ربیعہ بن عامر رضی اللہ عنہ فارس کے حکمران کے پاس گئے تو حکمران نے انہیں پوچھا، 'آپ ہمارے علاقوں کی جانب کیوں آرہے ہیں؟ اگر آپ دولت کی خاطر آرہے ہیں تو پھر ہم آپ میں سے ہر ایک کو ایک معاوضہ ادا کریں گے مگر ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔' لیکن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

> **'ہم یہاں اس لئے نہیں آئے۔ ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے تا کہ ہم مخلوق کو ایک دوسرے کی غلامی سے آزاد کرا کے اللہ خالقِ مخلوقات کی غلامی میں لے آئیں، اور مذہب کے جبر سے آزاد کرا کر اسلام کا عدل و انصاف فراہم کریں' اور ہم لوگوں کو اس دنیا کی تنگی سے نجات دلا کر اِس اور اگلے جہاں کی وسعت سے روشناس کرا دیں۔'**

ربیعہ بن عامر رضی اللہ عنہ دین کے طالبعلم نہیں تھے اس کے باوجود وہ یہ کہہ رہے تھے کہ تمام مذاہب ظلم ہیں۔ انہیں اس کے لئے مذہب کے متعلق تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ انہیں وحی کے مصدر سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ہر مذہب ظلم و جبر کا مذہب ہے ماسوائے دینِ اسلام کے جو عدل کی فراہمی کو یقینی بناتا ہے۔

یوم البعاث ایک تیاری کی علامت تھا کیونکہ ساری قیادت مٹ چکی تھی۔ اسی لئے جب انصار کے آدمی حج کے لئے گئے تو انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سن کر کیا کہا؟ انہوں نے کہا، 'چلو اس آدمی کو اپنے علاقے میں لئے چلتے ہیں ہو سکتا ہے اللہ اسی کے توسط سے ہمیں متحد کر دے'۔ وہ بھٹکے ہوئے تھے اور اپنی قیادت بھی کھو چکے تھے۔ سبحان اللہ! انسانیت کا قیادت کے بغیر گذارہ نہیں ہے، اسے ہر اچھے برے میں قیادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رحمن کی جماعت کی بھی ایک قیادت ہوتی ہے اور شیطان کی جماعت کی بھی ایک قیادت ہوتی ہے۔ یہ ہماری (انسانوں کی) فطرت ہے۔ ہمیں کسی نہ کسی رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں راستہ دکھائے۔

تیاری کی ایک اور شکل یہ بھی تھی کہ وہ لوگ یہود کے ہمسائے تھے، لٰہذا وہ جانتے تھے کہ کسی نبی کی آمد متوقع تھی؛ وہ دیگر اہل عرب کی مانند نہ تھے کہ جنہیں نبوت کے متعلق سرے سے ہی کوئی علم نہ تھا۔ انصار عموماً یہود سے بات سنتے تھے کہ، 'ہمارے درمیان ایک نبی بھیجا جائے گا اور پھر ہم تمہیں اسی طرح قتل کریں گے جس طرح عاد قتل کئے گئے۔' چنانچہ یہود انصار کو یہ دھمکیاں دے رہے تھے کہ جب وہ نبی آئے گا تو وہ انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالیں گے لیکن حقیقتاً اس کے برعکس ہوا۔ تو کیا یہ ایک

انجام تک پہنچنے کے اسباب کی تیاری والا معاملہ نہیں؟ اللہ عزّوجل چاہتے تھے کہ انصار مشرف بہ اسلام ہو جائیں اور نبی ﷺ کی اعانت کریں۔

چنانچہ تاریخ ان کو تیار کر رہی تھی۔ انصار جس وقت بعاث میں لڑ رہے تھے تو ان کو ذرا بھی اندازہ نہ تھا یہ یہ دن ایسا تھا جو انہیں اسلام سے نزدیک تر لا رہا تھا۔ یہ دور جہالت میں لڑی جانے والی جنگ تھی مگر یہ انہیں اللہ عزّوجل سے قریب تر لا رہی تھی۔

## ☆ دوسری مثال:

ایک اور مثال وہ ہے جب عمر رضی اللہ عنہ نے سلطنتِ فارس سے جنگ کرنے کے لئے ایک فوج روانہ کی۔ مسلم فوج کے سپہ سالار ابو عبیدہ الثقفی رضی اللہ عنہ بہت جرأت مند تھے مگر انہوں نے کچھ ضرورت سے زیادہ خطرات میں کودنے کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو جنگِ جسر میں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس روز فارس میں آدھی مسلم فوج قتل کر دی گئی۔ چنانچہ اب یہ سلطنتِ فارس کے لئے ایک سنہرہ موقع تھا کہ باقی مسلمانوں کا بھی صفایا کر دیں؛ ان کا خیال تھا کہ حالات ان کے مفاد میں پلٹ گئے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اب وہ مسلمانوں کو نکال باہر کر سکتے ہیں جو اب اس سارے علاقے سے بھی محروم ہو جائیں گے جس پر وہ اب تک قابض ہو چکے تھے۔ 'التاریخ الاسلامی' کے مصنف محمود شاکر کہتے ہیں، 'مگر اللہ مؤمنو کے ساتھ ہے۔' اگر مؤمن فتح و نصرت کے لوازمات کو پورا کریں تو پھر کامیابی و کامرانی بہر حال انہیں کو ملے گی قطع نظر اس کے کہ وہ بڑی تعداد میں ہیں یا نہیں، ان کے پاس نیوکلیئر بم ہے یا نہیں....... ان امور سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب تک آپ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں گے، اللہ عزّوجل آپ کو کامیابی سے ہمکنار کریں گے کیونکہ اللہ عزّوجل فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾

اللہ ایمان والوں سے (دشمنوں کو) ہٹاتا رہے گا۔(الحج22:38)

اللہ عزّوجل ان کا محافظ نہیں جن کے پاس بہت سے ہتھیار ہوں، جن کی تعداد بہت بڑی ہو....... بلکہ وہ جن کے پاس ایمان ہو (اللہ عزّوجل ان کا محافظ ہے۔) یہ وہ شرط ہے جس کا پورا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ، اگرچہ کہ لگ تو یہ رہا تھا کہ مسلمان ہار جائیں گے، مگر سبحان اللہ، اللہ عزّوجل نے مطلوبہ انجام کی طرف لے جانے والے اسباب تخلیق کر دیے۔ پس مسلمان جب بھی کسی مشکل میں پھنستے ہیں، اللہ عزّوجل ہی انہیں اس مصیبت سے نجات دلاتے ہیں (ظاہری اسباب نہیں!) ہوا یوں کہ فارس کے

دارالحکومت میں دو مرکزی رہنماؤں نے آپس میں ہی لڑائی شروع کر دی، فوج تقسیم ہو کر نصف رستم کے ساتھ مل گئی اور بقیہ نصف ایک دوسرے رہنما کے ساتھ۔

چنانچہ جس سپہ سالار کو مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لئے متعین کیا گیا تھا اسے مسئلہ سلجھانے کے لئے واپس دارالحکومت طلب کر لیا گیا۔ اب وہ مسلمان جو خطرے میں گھرے ہوئے تھے یا جن کا خاتمہ کیا جا رہا تھا وہاں تنہا رہ گئے اور اس صورتحال نے خلیفہ کو مہلت فراہم کر دی کہ وہ مزید کمک بھیج کر لڑائی کا سلسلہ جاری رکھوا سکیں۔ پس یہ تنازعہ عین ایسے وقت پر رونما ہوا کہ جب اس کی ضرورت تھی، کیونکہ اللہ عزّوجل کو اس علاقے کی فتح منظور تھی۔ سو باوجود اس امر کے کہ حالات مسلمانوں کے خلاف ہوتے نظر آرہے تھے، اللہ عزّوجل نے انہیں فتحیاب کیا۔

## ☆ تیسری مثال:

ایک تیسری مثال صلیبیوں کی ہے۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے ارضِ مقدس کے ارد گرد مسلمانوں کو مجتمع کرنا شروع کیا اور ایک ایسے کام کا ارادہ کیا جو اُن سے پہلے کے کئی امیر (مسلم رہنما) کرنے سے قدرے گریزاں تھے....... اور یہ تھا صلیبیوں سے جنگ کے آغاز کا ارادہ۔ صلیبیوں نے یروشلم، کچھ اور اہم مقامات اور شام (حالیہ سوریا، اردن، لبنان، یمن اور فلسطین) کے اطراف تمام تر ساحلی علاقوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ چنانچہ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جنگ کا آغاز کیا اور صلیبی انہیں قدرے سنجیدگی سے لے رہے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ کوئی معمولی قائد نہ تھے۔ مسلم رہنما صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ باور کروا رہے تھے کہ روم کے ساتھ آغازِ جنگ کر دینا ان کا دیوانہ پن تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ **'روم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔'** یعنی آپ جہاں تک نظر لے جائیں روم وہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ یہ کہہ رہے تھے کہ روم ہم پر سیلاب کی مانند چڑھائی کر دے گا کیونکہ یورپ متحد ہے اور اس کی آبادی بہت زیادہ ہے اور وہ ایک منتشر امّت سے جنگ لڑنے جا رہا ہے۔ لہٰذا صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ امّت کے صرف ایک جزو کی مدد کے ساتھ لئے لڑ رہے تھے کیونکہ امّت اس وقت انتشار کا شکار تھی۔ وہ متحدہ یورپ کے خلاف ایک محدود فوج کی معاونت کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ مسلم رہنما انہیں کہہ رہے تھے کہ وہ دیوانے ہو گئے ہیں، مگر صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ عزّوجل پر توکل تھا سو وہ صلیبیوں سے لڑائی میں پیش قدمی کرتے رہے اور ان سے علاقے حاصل کرنے لگ گئے۔ چنانچہ اب پوپ (رومن کیتھولک کلیسا کے سب سے بڑے پادری) نے یورپ کو ایک نئی صلیبی جنگ کے لئے متحرک کرنا شروع کیا، جو کہ چوتھی صلیبی جنگ تھی اور یہ بہت بڑے پیمانے پر ہونے جا رہی تھی کیونکہ یہ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے

خلاف تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ، یہ باور کرتے ہوئے کہ یہ جنگ کس کی قیادت میں ہونے جارہی ہے، اس صلیبی جنگ کو کس قدر اہمیت دے رہا تھا۔ اگر وہ اس جنگ کی قیادت کے لئے کوئی معمولی سا جرنیل (سپہ سالار) بھیجتے تو اس کا مطلب ہوتا کہ وہ اس جنگ کو خاص اہمیت نہیں دے رہے لیکن یہ جنگ انگلینڈ، فرانس اور جرمنی کے بادشاہوں کی قیادت میں لڑی جانی تھی اور انہوں نے بذات خود فلسطین میں جا کر اسے لڑنا تھا۔ انہوں نے اس جنگ کے لئے سپہ سالار مقرر نہیں کرنے تھے بلکہ انہوں نے اپنی افواج کی قیادت خود کرنی تھی۔ چونکہ ان تینوں افواج نے جنگ کے لئے نکلنا تھا، اس لئے فوج کی کل حجم اس دور کے معیار سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔ کچھ ذرائع کا کہنا تھا کہ تنہا فریڈرک بربروسا (جرمنی کا بادشاہ) کی فوج تین لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ یہ ایک ایسی تعداد تھی جو اس زمانے میں اگر کوئی سن ہی لیتا تو شدتِ خوف سے حواس کھو بیٹھتا۔ فوج اتنی بڑی تھی کہ یورپین بحریہ اور تجارتی جہاز اس کے نقل و حمل کے لئے ناکافی پڑ گئے۔ لہٰذا انگلینڈ اور فرانس کی افواج تو بذریعہ سمندر روانہ ہوئیں مگر جرمن افواج کو زمینی راستوں کے ذریعہ جانا پڑا۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ ہمارے علماء اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> **'وہ ہماری جانب زمین اور سمندر کی اطراف سے آئے۔ مسلمانوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ جرمنی کا بادشاہ تین لاکھ نفوس پر مشتمل زبردست فوج کے ساتھ شمال کی جانب سے آرہا ہے۔ سو اب مسلم سلطان اور مسلمان پریشان ہوئے اور ان پر خوف طاری ہونے لگا۔ بہت سے علماء نے جہاد کی محبت میں تیاری پکڑی تاکہ شام پہنچ کر لڑائی میں حصہ لیں لیکن پھر ان میں سے کئی اس وقت واپس پلٹ گئے جب انہوں نے فرانسیسیوں کی تعداد سنی۔'**

وہ واپس کیوں لوٹ گئے؟ کیا جب (دشمن کی) تعداد زیادہ ہو تو فقہ تبدیل ہو جاتی ہے؟ وہ جہاد فی سبیل اللہ لڑنے گئے اور صرف تعداد سن کر واپس لوٹ آئے....... اور یہ 'علماء' تھے! یہاں ایک بہت اہم سبق ہے اور وہ یہ کہ 'علماء معصوم / مبرأ عن الخطا نہیں ہوتے؛ وہ انبیاء نہیں ہوتے'۔ لہٰذا اگر لوگ علماء کی اندھادھند تقلید کرنے لگیں گے تو پھر اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ انہیں سیدھے راستے پر لے جائیں گے۔ اور اس بات کا اطلاق تمام علماء پر عمومی طور پر نہیں ہوتا کیونکہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے چند واپس لوٹ گئے۔ اس امّت میں ہمیشہ ایسے علماء رہیں گے جو الطائفہ (المنصورہ) کا حصّہ ہوں گے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ لوگ ذمّہ داری سے بچ نکلنے کا کوئی نہ کوئی راستہ ڈھونڈ کر اسے علماء پر یہ کہہ کر نتھی کر دیتے ہیں کہ........ 'اس عالم نے ہمیں یہ

فتوی نہیں دیا تھا'، 'اس عالم نے ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کرنے کا نہیں کہا۔' پس وہ علماء کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور جب ایسے علماء ہوں جو اس کے بر عکس کہہ رہے ہوں، جو آپ کو درست عمل کی تلقین کر رہے ہوں اور ایسے علماء جو درست منہج پر ہوں تو وہ زنداں میں ہوں گے ، یا قتل کر دیئے جائیں گے ، یا زیر زمیں / پوشیدہ ہوں گے ، یا غیر معروف ہوں گے کیونکہ کوئی بھی ٹیلی ویژن اسٹیشن ان کے خطبات نشر نہیں کرے گا، مگر وہ علماء ہیں! ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایک ایسے دلچسپ دور میں رہتے ہیں جہاں کسی شخص کا علم اس پیمانے پر جانچا جاتا ہے کہ وہ کتنا مشہور و معروف ہے ، اور یہ علم کا درست معیار نہیں ہے۔ پہلے وقت کے علماء کے دور میں کوئی عالم دوسرے علماء کی سند کی بنیاد پر عالم مانا جاتا تھا۔ اس کا استاد اسے تزکیہ عطا کرتا ہے اور بتاتا کہ (اب) وہ ایک عالم ہے۔ ان کے یہاں فتوی کے لئے ایک مخصوص منصب ہوتا جو اس عالم کو دیا جاتا جسے علماء کی بڑی تعداد سب سے زیادہ صاحبِ علم و فضل سمجھتی، لیکن اب حکومت کسی عالم کی تقرری کرتی ہے اور وہ دفعتاً عالم بن جاتا ہے ....... اس لئے نہیں کہ علماء نے اسے عالم قرار دیا بلکہ اس لئے کہ حکومت نے اسے یہ عہدہ سونپا۔ اور پھر وہ بہت سے سیٹلائٹ چینلز، ریڈیو اسٹیشنز، اور پروگراموں میں نمودار ہو کر ایک معروف عالم کا مقام حاصل کر لیتا؛ یہ علم کا درست معیار نہیں ہے۔ ہمیں حق کا اتباع کرنا ہے وہ چاہے کچھ بھی ہو۔

چنانچہ ابن اَثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> جب ان علماء نے یہ تعداد سنی تو وہ بھاگ نکلے ؛ اور عالم ہونے کے ناطے (اس طرح بھاگنے والا) اس کی حجت اور دلیل ڈھونڈ نکالے گا- اسے معلوم ہے کہ کس طرح آیات یا احادیث کو توڑ مڑوڑ کر پیش کر کے اس فعل کو شرعی ثابت کرنا ہے۔ وہ یہ کہہ کر کہ 'معذرت چاہتا ہوں، میں ایک ڈرپوک شخص ہوں لہٰذا میں اس سلسلے میں آگے نہیں بڑھ سکتا' اپنے خوفزدہ ہونے کا اقرار نہیں کرے گا، بلکہ وہ یہ کہے گا کہ لڑائی جاری رکھنا حکمت کے منافی ہے اور اس میں کوئی حکمت نہیں ہے ، یا پھر یہ کہ صلاح الدین سٹھیا گیا ہے اور ہم نے اسے مشورہ دیا تھا کہ لڑائی کی جانب نہ بڑھے اس کے باوجود اس نے لڑائی کا راستہ اپنایا، یا پھر یہ کہ صلاح الدین کے پاس علم نہیں ہے یا یہ کہ وہ درست عربی نہیں بول یا سمجھ سکتا تو پھر وہ کون ہوتا ہے فتویٰ دینے والا اور اپنی امّت کو اتنی بڑی فوج کے مقابل لا کر مشکل میں پھنسانے والا اور ان پر اس آفت کو دعوت دینے والا۔' اسے علماء کے پاس جانا چاہئیے اور ہم سے فتوی لینا چاہئیے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا سو اسے جانے اور مرنے دو۔' پس وہ بھاگ گئے ؛ ہوا کیا؟ یہ اللہ عزّوجل کی جانب سے ایک امتحان تھا- علماء کے لئے ، صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اور امّت کے لئے۔

ضخیم فوج پیش قدمی کر رہی تھی؛ کچھ تو ثابت قدم رہے اور کچھ بھاگ گئے۔ یہ بالکل ویسی مثال تھی جیسے موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے ساتھ ایک بند گلی میں پہنچ گئے کہ جب ان کے سامنے ایک سمندر تھا؛ یہ امّت کے لئے ایک امتحان تھا۔ اللہ عزّوجل مؤمنوں کو تباہ و برباد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امّت ایک آخری کنارے پر پہنچ گئی؛ ان کے سمندر اور پیچھے فرعون کی فوج تھی۔ چنانچہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور ان سے کہا، 'آپ نے ہم سے جھوٹ بولا۔ آپ نے تو ہمیں کہا تھا کہ اللہ ہمیں بچالے گا۔ آپ نے تو ہمیں کہا تھا کہ اللہ ہماری حفاظت کرے گا۔ اور یہاں ہم موت کے منہ میں آ پہنچے ہیں۔ ہمارے آگے سمندر اور پیچھے فرعون ہے؛ کوئی راہِ فرار نہیں۔' موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا، اور اللہ عزّوجل نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ خوبصورت اور تاریخی بات اپنی پاک کتاب میں محفوظ فرمالی،

﴿كَلَّآ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾

ہر گز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ میری رہنمائی کرے گا۔ (الشعراء26:62)

یہ ایسے تھا جیسے موسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہوں، 'میں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں رکھتا جب میں سمندر کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں اور فرعون کو اپنے پیچھے۔ میں اپنے کانوں پر یقین نہیں رکھتا جب میں بنی اسرائیل سے یہ الفاظ سنتا ہوں کہ میں نے ان سے جھوٹ بولا۔ میں صرف اپنے ایمان پر یقین رکھتا ہوں؛ اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور وہ اپنا وعدہ پورا کر کے رہے گا۔' چنانچہ اس مقام پر آکر امتحان ختم ہوا اور اللہ عزّوجل نے انہیں اپنی چھڑی سمندر کو مارنے کا حکم دیا۔ اس امتحان سے یہ واضح ہو گیا کہ کون ثابت قدم تھا اور کون ثابت قدم نہیں تھا۔

یہی صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے وقت بھی ہوا؛ یہ ایک امتحان تھا۔ تین لاکھ آدمی فریڈرک بربروسا کے ساتھ پیش قدمی کر رہے ہیں؛ ہوا کیا؟ وہ ایک دریا پر پہنچے، اور پھر اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں کہ در حقیقت کیا ہوا۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ دریا کا پانی یخ ٹھنڈا تھا؛ ایسا غالباً برفانی چوٹیوں سے برف پگھلنے کی وجہ سے تھا۔ موسم شدید گرم اور پانی شدید ٹھنڈا تھا۔ فریڈرک بربروسا اپنی عمر کی ستر کی دہائیوں میں ایک قدرے عمر رسیدہ شخص تھا اور اپنی فوج کی قیادت کر رہا تھا۔ وہ سر سے پیروں تک زرہ بکتر میں ڈھکا ہوا تھا؛ وہ مسلمانوں کی مانند ہلکی زرہ بکتر میں لڑنے والے نہیں تھے، جیسا کہ اللہ عزّوجل کا فرمان ہے،

﴿لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَآءِ جُدُرٍ﴾

وہ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑیں گے، سوائے قلعہ بند بستیوں میں رہ کر یا دیواروں کی اوٹ سے۔(الحشر
(95:41

ان دیواریں سے مراد کوئی قلعہ بھی ہو سکتا ہے یا زرہ بکتر بھی، لیکن جس لمحے آپ انہیں اس حفاظتی بند سے نکالیں گے، زرہ بکتر یا گھاٹی سے، بس پھر ان کا قصہ ختم، اور اسی لئے ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، 'صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجسام ان کے دشمنوں سے بڑے نہ تھے، نہ ان کی تربیت ان سے زیادہ تھی، ان کے زرہ بکتر ان سے بہتر نہ تھے، ان کے ہتھیار زیادہ نہ تھے لیکن دشمنوں کے دل (حوصلے) اس وقت شکستہ تھے جس وقت انہیں حوصلے کی اولین ضرورت تھی۔'

پس صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل مضبوط تھے جبکہ ان کے دشمنوں کے پست تھے۔ ان کے (پست) دل ان کی شکست کا باعث بنیں گے، باوجودیکہ اس کے پاس زرہ بکتریں، ہتھیار، تربیت، فوج۔ غرضیکہ کامیابی کے تمام لوازمات موجود ہیں، لیکن اس کے پاس (مضبوط) دل نہیں۔

فریڈرک اپنے گھوڑے پر بہتے پانی کو عبور کر رہا ہے اور اسی اثناء میں کوئی چیز گھوڑے کو خوف زدہ کر دیتی ہے اور نتیجتاً فریڈرک بربروسا ٹھنڈے پانی میں جا گرتا ہے، اسے دل کا دورہ پڑتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس پر ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ ازراہِ تفنن فرماتے ہیں:

> 'جرمنوں کا بادشاہ اتنے پانی میں مرتا ہے جو آپ کے گھٹنوں تک بھی اونچا نہیں!' فریڈرک بربروسا ایسا نام تھا جو دہشت پھیلا دیتا، وہ یوروپین بادشاہوں میں سب سے زیادہ طاقتور تھا لیکن اس کی موت پانی کے ایک گڑھے میں واقع ہوتی ہے۔

پھر ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> 'بادشاہ کے مرنے کے بعد، ان میں وبا پھیل گئی اور وہ منتشر ہو گئے۔ شام پہنچنے پر ایسے تھا جیسے وہ کسی قبر میں سے نکل آئے ہوں۔ عکّا پہنچنے پر تین لاکھ فوج کم ہو کر صرف ایک ہزار رہ چکی تھی۔'

جب ہم ان کی جانب نظر دوڑاتے ہیں تو ایسے لگتا ہے جیسے وہ اپنی قبروں میں سے نکل کر آئے ہوں۔ تین لاکھ میں سے صرف ایک ہزار صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کا سامنا کرنے کے لئے پہنچ پائے۔ تو پھر کون عقلمند ٹھہرا؟ وہ علماء جو میدان چھوڑ کر بھاگ گئے یا صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ۔

بربروسا کی جانب سے ایک خط صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نام ارسال کیا گیا تھا جو انتہائی مغرور و متکبرانہ اور تھا۔ اس میں صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کو دھمکایا گیا تھا کہ بارہ ماہ کے عرصے میں وہ اپنی فوج کو ہٹالے ورنہ نتائج کے لئے تیار رہے۔ پس اللہ عزّوجل کو بربروسا کو ذلیل و بے وقعت کرنا منظور تھا۔

بربروسانے عہد کر رکھا تھا کہ وہ ارض مقدسہ میں قدم رکھے گا، چنانچہ جب وہ ارض مقدسہ پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک ہو گیا تو اس کے بیٹے نے چاہا کہ اپنے باپ کا عہد نبھانے کے لئے اس کی لاش وہاں لے جائے؛ پس انہوں نے اس کی لاش کو پانی میں ابالا، پھر اس کے جسم کو ایک بیرل (ڈرم) میں سرکے میں بھگو کر حنوط کر دیا تا کہ اس کو عہد کی تکمیل کی خاطر محفوظ رکھا جا سکے۔ اس کے باوجود بھی اُس کی لاش سڑ گئی اور پھٹ کر ڈرم سے نکل گئی۔ لہٰذا انہیں لاش کو راستے میں ہی تلف کرنا پڑا۔ پس اللہ عزّوجل نے اسے اتنی مہلت تک بھی نہ دی کہ وہ ارض مقدسہ پہنچنے کا اپنا عہد پورا کر سکتا! جب آپ اللہ عزّوجل کے دین سے لڑنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کا ایسا انجام ہوتا ہے!

ابن اَثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> 'اگر جرمن بادشاہ کو ہلاک کرنے کے ذریعے اس امّت کے لئے اللہ کی مہربانی نہ ہوتی تو پھر آج ہم یوں کہہ رہے ہوتے کہ مصر اور شام بھی کسی زمانے میں مسلم ممالک ہوا کرتے تھے۔' یعنی وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ ہم شام کو بمعہ مصر کو کھو چکے ہوتے اور آج یہ کہتے پائے جاتے کہ کبھی یہاں مسلمان ہوا کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا سنگین خطرہ تھا۔ لیکن اللہ عزّوجل اپنے بندوں کو نصرت و کامیابی سے ہمکنار کرنا چاہتے تھے؛ سو اگر وہ تین لاکھ یا تین بلین (فوج) بھی بھیج دیتے تو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ اللہ عزّوجل اس امّت کو فتح نصیب فرمانا چاہتے تھا۔ پس ثابت ہوا کہ جب اللہ عزّوجل کو کوئی امر مقصود ہوتا ہے، اگر وہ اس امّت کو فتحیاب کرنا چاہیں، تو وہ اس کے لئے ایسے حالات تخلیق فرما دیں گے جو اس کامیابی کے واقع ہونے کا سبب بن جائیں گے۔

## 4 تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے

اب جبکہ ہم یہ ثابت کر چکے کہ یہ اصول درست ہے، تو چلئے آیئے اپنے آج کے دور کی جانب دیکھتے ہیں۔

### ☆ پہلا نکتہ:

ہم ایک ایسے وقت میں رہ رہے ہیں جو صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے ملتا جلتا ہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ آنے والے حالات بھی ویسے ہی ہوں گے جیسے صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں آئے؟ آیئے ہم اس صورتحال کی جانب نظر دوڑاتے ہیں جو صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی فتح سے قبل درپیش تھی۔ اس وقت امّت میں انتشار تھا۔

ابن اَثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

'اس وقت خلافت انتہائی کمزور تھی اور ہر مسلم ریاست خود مختار ہوتی چلی جارہی تھی، اور خلافت کی فرمارروائی محض بغداد پر قائم تھی، پس امّت میں انتشار پھیل چکا تھا۔' بصرہ ابن رائق کے تحت تھا، خزستان ابی عبد اللہ کے، ایران عمادالدولۃ کے، کرمان ابی علی بن محمد کے، الموصل 'الجزیرہ' الدیابکار، ربیعہ بن حبّان کے، مصر اور شام محمد بن بجک کے، افریقہ اور المغرب القائم ابن مہدی کے، خراسان السمّانی کے؛ پس آپ امّت کا انتشار ملاحظہ کر سکتے ہیں: یہ ویسا ہی ہے جیسا آج کے ہمارے دور میں پایا جاتا ہے۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور پہلے بھی ایسے وقت گذر چکے ہیں کہ امّت ویسے ہی حالات سے دوچار تھی جیسے حالات آج ہمیں درپیش ہیں اور یہ حالات امّت کی فتح و نصرت پر منتج ہوتے تھے۔ لہٰذا ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے کہ ہماری حالت اتنی بری ہے کہ اب ہمارے لئے کوئی راہِ فرار نہیں۔ یہ سچ نہیں ہے۔ جب آپ گہرائی کی آخری انتہا تک پہنچ جاتے ہیں کہ جس سے آگے مزید کوئی گہرائی باقی نہیں رہتی، تو پھر اس کے بعد واپس اوپر کی جانب جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جاتا،

خلاص! پس ہم اس وقت نشیب (خم) کی آخری حد پر پہنچے ہوئے ہیں۔

ابن اَثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کہ اندلس چار ریاستوں میں تقسیم ہو چکا تھا، اور ہر ریاست کا سربراہ خود کو امیر المؤمنین کہتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مذاق بن چکا تھا۔ سو یہ انتشار کی ایک ایسی حالت تھی جو غالباً ہماری موجودہ حالتِ انتشار سے بھی بد تر تھی۔ طاقت سے شدید لگاؤ تھا، جو کہ ہماری آج کی حکومتوں کی صورتحال جیسا تھا۔ مثلاً، الرّضوان نے حکومت حاصل کرنے کی خاطر اپنے دو بھائیوں کو قتل کر دیا اور اس کے لئے اس نے الباطنیہ کی مدد حاصل کی۔ ایک اور مثال ایک قصبے کی تھی جس کا نام الرّہا تھا اور یہ دو امیروں کے درمیان تقسیم ہو گیا تھا، جن میں سے ایک نے رومن بادشاہ سے مدد طلب کی تھی۔ قرطبہ میں، دورِ فتن کے دوران، امیّہ بن عبدالرحمن بن حشام نامی شخص محل پر قبضہ جمانے کے بعد مرکزی کھڑکی کی جانب گیا اور چلّا کر کہا کہ (اب) وہ امیر ہے۔ کسی نے اسے کہا کہ بنی امیّہ کا دور اب ختم ہو چکا۔ اس نے جواباً کہا، 'آج مجھے بیعت دے دو چاہے کل مجھے مار ڈالنا۔ مجھے کم از کم ایک روز کے لئے امیر رہنے دو! میرے لئے ایک دن ہی کافی ہے۔' پھر انتہائی امیر اور انتہائی غریب لوگوں کے درمیان بھی تفاوت تھا۔ یہ بھی آج ہماری امّت میں موجود ہے۔ ایک اور مثال السّلطان مینیکشاہ کی بیٹی کی تھی، اس کو دیا جانے والا جہیز سونے چاندی سے لدے 1031 ونٹوں پر مشتمل تھا، یہ السّلطان کی بیٹی کی شادی کے لئے تھا۔ پس لوگوں کے پاس بے انتہاء دولت بھی تھی اور بہ یک وقت ایسے لوگ بھی تھے جو ایسی بے انتہاء غربت کا شکار تھے کہ کتے کھاتے تھے۔ ایک اور مثال ۴۴۸ ہجری کی ہے، ایک شخص نے اپنا گھر صرف 20 اونس آٹے کے عوض بیچ دیا، اسے واقعی 20 اونس آٹے کی ضرورت تھی۔ لوگوں میں جمود (سستی) کی حالت بھی پائی جاتی تھی؛ یہ امّت کے لئے نئی بات نہیں ہے، اور ایسے مراحل آتے رہے ہیں کہ جن میں لوگ انتہائی جمود کی حالت سے دوچار رہے۔ ۳۶۱ھ میں، اور اس کا تذکرہ ابن اَثیر رحمۃ اللہ علیہ نے الکامل میں کیا ہے، رومن فوج نے الرّہا پر حملہ کیا۔ سو ایک وفد الرّہا سے بغداد روانہ ہوا اور مسلم بادشاہ بختیار ابوئیہی کے پاس گیا۔ انہوں نے بادشاہ کو شکار کھیلنے میں مصروف پایا۔ اسے امّت کے معاملات کی دیکھ بھال کر رہے ہونا چاہیئے تھا اور جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز کر دینا چاہیئے تھا مگر وہ شکار کھیلنے میں مصروف تھا! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب یو ایس میں عرب ممالک کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ واشنگٹن ڈی سی کا دورہ کرنے گیا۔ اس نے وہاں کی مقامی مسلم کیمونٹی سے ملاقات کے لئے ایک منگل کا تعین کیا۔ مسلم کیمونٹی سے ملاقات سے ایک روز قبل، ایمبیسی نے فون کر کے اطلاع دی کہ بادشاہ بروز منگل کسی میٹنگ میں شرکت کی وجہ سے سخت مصروفیت کے باعث آنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا لوگوں نے اندازہ لگایا کہ بادشاہ کی یو ایس میں کسی اعلیٰ اہلکار سے ملاقات ہو گی، غالباً کسی کانگریس میں سے پیسوں کی استدعا کرنے کے لئے۔ بعد میں یہ اطلاع ملی کہ یہ بادشاہ بروز منگل اپنی اہلیہ کے ہمراہ چار فلمیں دیکھنے کے لئے سینماؤں میں گھومتا رہا۔ وہ فلمیں دیکھنے کی خاطر ایک سینما سے دوسرے سینما جانے میں بے حد مصروف رہا۔ اور اس سے آپ کو پتہ چلتا ہے کہ ہمارے معاملات کس قسم کے لوگ چلا رہے ہیں۔ یہ ایسے لوگ

ہیں کہ جن پر آپ ایک دکان یا کاروبار چلانے کے ضمن میں اعتماد نہیں کر سکتے اور یہ ممالک کو چلا رہے ہیں۔ اور پھر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں ان کو بیعت دینی چاہیئے اور ہر گز بھی ان کے مخالف جانا یا بولنا نہیں چاہیئے۔

بہر حال، وہ لوگ گئے اور بادشاہ کو شکار میں مصروف پایا اور اسے بتایا کہ جو وہ کر رہا تھا وہ غلط تھا اور مسلمانوں سے لڑنا غلط تھا جبکہ اسے تو رومیوں سے لڑنا چاہیئے تھا۔ بادشاہ کہنے لگا، 'اللہ اکبر! چلو جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہیں، جاؤ اور میرے لئے دولت جمع کرو۔' پس وہ گئے اور مال و دولت اکٹھا کیا اور اسے دے دیا مگر اس نے وہ سب اپنے ذاتی معاملات پر خرچ کر ڈالا اور جہاد فی سبیل اللہ کو بھول گیا۔

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں: کہ جب صلیبی شام پہنچے تو قاضی ابو علی ابن عمّار لبنان میں طرابلس سے بغداد روانہ ہوئے تاکہ لوگوں کو اپنی مدد کی خاطر آنے کے لئے متحرّک کر سکے، چونکہ بغداد علامتی طور پر ہی سہی خلافت کا مرکز سمجھا جاتا تھا سو جس کو مدد کی ضرورت پیش آتی وہ وہاں ہی جاتا۔ قاضی نے بغداد کی جامع مسجد میں خطبہ دیا جس میں لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی جانب بلایا۔ لوگ اس بارے میں بہت پر ولولہ اور جوشیلے ہوئے اور انہوں نے مسلم فوج میں شمولیت کے لئے خود کو تیار کیا اور سلطان نے بھی وعدہ کیا کہ وہ افواج بھیجے گا لیکن کچھ نہ ہوا اور نہ ہی کوئی گیا۔ چنانچہ جب قاضی واپس طرابلس پہنچے تو کیا دیکھا کہ العبیدیین، جو شیعہ تھے، طرابلس پر قابض ہو چکے تھے؛ سو وہ اپنا قصبہ بھی کھو چکے تھے۔

سو اگر آج ہم یہ سب دوبارہ ہوتا دیکھتے ہیں تو ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ سب پہلے ہو چکا ہے اور اللہ عزّ و جل اس کو تبدیل کر دیں گے۔

☆ **دوسرا نکتہ:**

اللہ عزّ و جل امّت کو آئندہ مراحل کے لئے تیار فرما رہے ہیں۔ جب میں نوجوان تھا، تقریباً آج سے بیس برس قبل کی بات ہے، تو میرے پاس ایک کتاب تھی جس کا نام 'الفتن لابن الکثیر' ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا 'البدایۃ والنہایۃ' کے نام سے ایک انسائیکلوپیڈیا (قاموس) ہے۔ وہ تاریخ کے بارے میں اس کی ابتداء سے بات کرتے ہیں۔ زمین کی تخلیق سے لے کر یومِ قیامت تک ۔ جو باب احادیث الفتن کے بارے میں بات کرتا ہے۔ وہ احادیث جو آخیر زمانے کے بارے میں تذکرہ کرتی ہیں۔ کو الگ کر کے

'الفتن' کے نام سے ایک علیحدہ کتاب کے طور پر شائع کیا گیا۔ میرے پاس یہ کتاب تھی اور میں پڑھتا تو سوچتا تھا کہ سبحان اللہ یہ بہت اچھے وقت ہوں گے مگر بہت ہی آگے جا کر کہیں آئیں گے۔

اگرچہ کہ احیاء اس امّت کا احیاء ہو گا لیکن احادیث میں کچھ علاقوں کی بات کی گئی ہے جن پر رسول اللہ ﷺ نے دیگر سے زیادہ زور دیا؛ یہ عراق کے علاقے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'عصائب العراق' (احادیث میں امام مہدی کے ہاتھ پر بیعت کے لئے عراق سے آنے والوں کا تذکرہ ہے)، خراسان۔ جو موجودہ افغانستان اور غالباً اس کے گرد و نواح کے کچھ علاقے ہیں، کہا گیا کہ افغانستان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے، شام۔ احادیث کی اکثریت شام کا تذکرہ لئے ہوئے ہے۔ شام سے مراد فلسطین، سوریا، لبنان، یمن اور اردن ہیں۔

بیس برس قبل ان علاقوں کی کیا صورتحال تھی؟ عراق میں 'بعث' پارٹی کی حکومت تھی جو سرکاری طور پر سیکولر (غیر مذہبی) تھی، سرکاری طور پر دین کی مخالف تھی اور عراقی عوام تمام عرب لوگوں میں دین سے دور تر تھے۔ وہ سیکولرازم اور بعث کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے، وہ خالص قوم پرست تھے۔ میں کہا کرتا تھا کہ ' سبحان اللہ، واللہ اعلم کہ عراق کب تبدیل ہو گا؛ یہ تو آج سے بہت دور ہو گا۔'

(نوٹ: مکمل حدیث یوں ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ' تمہارے خزانہ کے پاس تین آپس میں قتال کریں گے (ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔) یہ تینوں ایک اور خلیفہ کے بیٹے ہوں گے لیکن خزانہ ان میں سے کسی کے بھی ہاتھ نہیں لگے گا۔ اس کے بعد مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے نمودار ہوں گے اور وہ تم سے اس شدت کے ساتھ قتل و غارت کریں گے کہ اس سے پہلے کسی قوم نے اس قدر شدید قتل و غارت نہ کی ہو گی۔ (راوی حدیث یعنی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے کوئی بات بیان فرمائی جو مجھے زبانی یاد نہیں رہی اور پھر فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) اگر تم نے انہیں دیکھا تو ان سے بیعت کر لینا اگرچہ اس بیعت کے لئے تمہیں برف پر گھسٹ کر آنا پڑے، بلاشبہ وہ اللہ کے خلیفہ، مہدی ہوں گے۔ اگر تم خراسان سے نمودار ہوتے سیاہ (یعنی جنگ کے) جھنڈے دیکھو تو اس فوج میں شامل ہو جاؤ اگرچہ کہ اس کے لئے تمہیں برف پر گھسٹ کر آنا پڑے، کیونکہ یہ خلیفہ مہدی کی فوج ہے،، اور اس فوج کو یروشلم پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ (ابن ماجہ، البصیری، الحاکم، احمد نُعیّم، الدیلمی، حسن، ابن سفیان، ابو نُعیم)

خراسان میں جہاد سے قبل وہاں کمیونسٹ (اشتراکیت پسند) تھے: بھلا کمیونزم (اشتراکی نظام) سے کیا خیر نکل سکتی ہے؟ جہاد کی خبر اسّی کے عشرے کے اوائل سے ہی پھیلنے لگی!

شام کا مرکز فلسطین ہے اور اس وقت فلسطینی اللہ عزّوجل اور اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے تھے۔ان کی شہرت بدعنوانی، شراب نوشی میں تھی؛ یہ حالتِ فساد میں تھا۔ سوریا بھی بعث (کے تحت) تھا۔ لبنان مشرق وسطی کا پیرس کہلاتا تھا؛ یہ عیش ونشاط کا مرکز تھا۔ جب عربوں نے موج مستی کرنی ہوتی تو وہ بیروت کا رخ کرتے۔ یمن کا وہ حصہ جس کا احادیث میں تذکرہ کیا گیا ہے اس کا جنوبی حصہ ہے، عدن عبیان، اور وہ اُس وقت کل عالمِ عرب میں صرف وہی کمیونسٹ علاقہ تھا۔ سو میں سوچتا تھا کہ فتح اب سے بہت ہی زیادہ دور ہے؛ اور مجھے اپنے عرصۂ حیات کے دوران اس کی آمد کی توقع نہیں رکھنی چاہئیے۔

سبحان اللہ صرف بیس سالوں کے عرصے میں دیکھیں کہ ہم آج کہاں آ کھڑے ہیں!

پہلا جہاد فلسطین میں شروع ہوتا ہے؛ بلکہ، درحقیقت فلسطین نے دورِ جدید میں شہادت کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ شہادت کا تصور فلسطین سے (دوبارہ) شروع ہوا۔ آج فلسطین میں شہادت ایک ثقافت (معاشرتی رسم) بن چکی ہے، اور لوگ اس شہادت کو یوں (کسی مناسبت کی مانند) مناتے ہیں جیسے شادی کو، جب کوئی شہید اپنی جان کا نذرانہ اللہ عزّوجل کے حضور پیش کرتا ہے تو اس کے خاندان والے ایک شامیانہ لگاتے ہیں اور لوگ آ کر اس خاندان کو یوں مبارکبادیں دیتے ہیں جیسے ان کے بچّے کی شادی ہوئی ہو۔ سو وہ لوگ جو دین سے بعید ترین تھے اور جو اللہ عزّوجل اور دین کی شان میں گستاخی کرنے والے تھے آج وہی ہیں جنہوں نے شہادت کے معاملے کو دوبارہ جلا دی ہے۔ یہی ہیں جنہوں نے 'عملیّہ استشہادیّہ' (شہادت آپریشن) کی ابتداء کی (داغ بیل ڈالی) – یہ وہ نہیں ہیں جنہوں نے اسے ایجاد کیا بلکہ یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے اسے (دوبارہ) شہرت /پذیرائی دی۔

(نوٹ: 'عملیّہ استشہادیّہ' (شہادت آپریشن)؛ ہمیں اسے یورپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے 'خودکش حملہ' کہنے سے گریز کرنا چاہیئے کیونکہ اسلام میں خودکشی حرام ہے؛ اور شہادت خودکشی نہیں ہوتی۔ اس کا سارا تعلق انسان کی نیّت سے ہوتا ہے؛ اگر اس کی نیّت کفّار کو ہلاک یا تباہ کرنے کے ذریعے اعلائے کلمۃ اللہ ھي العلیۃ ہے تو پھر یہ شہادت فی سبیل اللہ ہے اور خودکشی نہیں ہے۔ لیکن، اگر اس کی نیّت یہ تھی کہ چونکہ وہ اپنی زندگی سے بیزار ہے اور اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے، پھر یہ خودکشی

ہے۔ شیخ یوسف العییری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی جس کا عنوان 'خود سوزی کی کاروائیوں کے جواز کے متعلق اسلام کا حکم؛ خود کشی یا شہادت'۔ یہ کتاب التبیان پبلیکیشنز نے انگریزی میں ترجمہ کی تھی۔)

افغانستان، جو ایک کمیونسٹ ملک تھا، جہاد فی سبیل اللہ کا میدان بن جاتا ہے اور ہم غالباً آج کے ہر جہاد کا سہرا افغانستان کے سر باندھ سکتے اور اس کے ابتدائی آثار وہاں پا سکتے ہیں۔ آج جہاد کا کوئی بھی محاذ ہو، آپ دیکھیں گے کہ اس کی جڑیں ایک یا دوسری صورت افغانستان سے جا ملتی ہیں۔ چنانچہ ایک کمیونسٹ ملک۔ ایک ایسی جگہ جہاں غالباً تمام عالمِ اسلام میں سب سے بلند شرح ناخواندگی پائی جاتی ہے اور جہاں لوگ اسلام کے متعلق بہت کم جانتے ہیں؛ سو وہ کوئی اعلیٰ پائے کے علماء بھی نہیں۔ وہ اکیسویں صدی، حالیہ صدی، کا جہاد شروع کر دیتے ہیں۔ جہاد کی تجدید وہاں سے ہوتی ہے؛ شیخ عبد اللہ یوسف عزّام رحمۃ اللہ علیہ کا علم افغانستان سے دنیا بھر میں پھیل جاتا ہے۔

عراق کو دیکھیں۔ کس کے وہم و گمان میں بھی تھا کہ یہ جہاد کا میدان بن جائے گا؟! آج سے چند برس قبل کس نے یہ سوچا تک ہو گا؟! کس نے سوچا ہو گا کہ صدّام کا علاقہ جہاد کا علاقہ بن جائے گا۔ حتیٰ کہ امریکیوں کا تخمینہ بھی غلط ثابت ہو گیا؛ انہوں نے سوچا کہ وہ بغداد کی جانب پیش قدمی کریں گے اور وہاں پہنچ کر انہیں پھولوں پہنائے جائیں گے اور سبحان اللہ یہ امّتِ مسلمہ کے لئے جہاد کا نیا اور اہم ترین محاذ بن گیا۔ عراق کا میدان اللہ عزّ و جل کی جانب سے تیار کیا جا رہا ہے۔

عراقی لوگ۔ ان بارہ سالہ پابندیوں کے نہ ہونے کی صورت میں اور پہلی خلیجی جنگ کے نہ ہونے کی صورت میں آج کے جدید مجاہدین کا محاذ نہ ہوتے۔ یہ ان کے لئے بعاث ثابت ہوئے؛ اللہ عزّ و جل نے عراق کے لوگوں کی جانب ایک سے زیادہ بعاث بھیج دیئے ہیں کیونکہ صدّام کے ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہونا تھا لیکن اللہ عزّ و جل نے اس حکومت کو ہٹا دیا۔ امریکی اس حکومت پر قبضہ جمانے کے لئے آ گئے؛ انہیں نہیں معلوم تھا کہ آگے بھڑوں کا چھتّا ہے؛ انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ کس چیز میں ہاتھ ڈال رہے ہیں۔ انہوں نے صدّام کو ہٹایا تو ابو مصعب الزرقاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی جگہ لے لی۔ انہوں نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنسا لیا، واللہ اعلم، یہ وہ گڑھا ہے کہ جس میں امریکہ نے ڈوب جانا ہے۔

(یہ لیکچر ابو مصعب الزرقاوی رحمۃ اللہ علیہ کی عراق میں شہادت سے پہلے دیا گیا تھا۔ لیکن امام انور حفظہ اللہ کے اٹھائے ہوئے نقطے کو مزید تقویت دینے کے لئے آپ ان کے اس لیکچر کے وقت سے لے کر اب تک عراق میں رونما ہونے والے واقعات کا رخ دیکھیں ۔ جہاد کی اس ارضِ مقدسہ میں حالات اس حوالے سے بہتر ہوئے ہیں کہ سنّی مجاہدین گروہوں کی ایک بڑی تعداد کا سرکاری طور پر اتّحاد قائم ہو گیا جس کا نام 'المطیّبین' ہے اور ان سب نے ابو حفص حفظہ اللہ کو بیعت دی ہے۔ مزید براں، انہوں نے اپنے دائرہ اختیار میں واقع علاقوں میں شریعت نافذ کر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ، ان کے حملے اب نسبتاً بہت زیادہ منظم، طاقتور اور کارآمد ہوتے ہیں بمقابل اس وقت کے جب وہ بہت سے جہادی گروہوں کی شکل میں منتشر تھے۔ بے شک اللہ عزّوجل اسلام کی کامیابی کے لئے راہ ہموار فرما رہے ہیں۔)

جنوبی یمن، کمیونسٹ عرب ملک، ایک ایسی جگہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے جہاں احیائے اسلام ہو رہا ہے اور اس احیائے اسلام کا مرکز عدن عبیان ہے -وہ مخصوص جگہ جس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں کیا۔

پس بیس برس کے ایک مختصر عرصے میں، یہ سب ہو رہا ہے۔ کیا اس سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہو رہا کہ فتح قریب ہے؟ کیا اس سے یہ واضح نہیں ہو رہا کہ وہ علاقے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں تذکرہ کیا اور بہت زور دیا، اللہ عزّوجل انہیں اگلے مرحلے کے لئے تیار فرما رہے ہیں؟ عراق، خراسان، یمن اور شام اگلے مراحل کے لئے تیار کئے جا رہے ہیں۔ اور جو آگے آ رہا ہے وہ 'الملحمہ' ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مقامات کا تذکرہ مہدی اور ملحمہ کے حوالے سے کرتے ہیں۔

الملحمہ وہ عظیم الشان جنگ ہے جو ملّتِ اسلامیہ اور روم کے درمیان واقع ہو گی اور جس کے بعد عالمی سطح پر خلافت آئے گی۔ کیونکہ اب جنگ مقامی سطح پر نہیں ہو گی، ہم ایک گلوبل ولیج میں رہ رہے ہیں، لہٰذا آپ یا تو مکمل طور پر فتح حاصل کرتے ہیں یا پھر مکمل شکست؛ یہ ایسا نہیں ہے کہ آپ چھوٹے سے مقامی علاقے پر قبضہ حاصل کر لیں تو وہ آپ کو چھوڑ دیں گے۔ نہیں، امریکی ناانصافی کا لمبا ہاتھ آپ تک پہنچ جائے گا چاہے آپ جہاں کہیں بھی ہوں۔ سو آپ یا تو مکمل طور پر فتح حاصل کرتے ہیں یا پھر مکمل شکست۔ اب یہ پہلے والا معاملہ نہیں ہے، جو اس ضخیم ہوائی طاقت جسے آج کی انسانیت نے ایجاد کیا، سے پہلے تھا۔ پہلے آپ ایک پہاڑ پر قابض ہو کر وہاں اپنا ایک محل تعمیر کر کے کئی برسوں سکون سے کسی کی مداخلت کے بغیر رہ سکتے تھے، لیکن اب وہ بی 52 بھیج سکتے ہیں جو آپ کے سمیت آپ کے محل کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا۔

(نوٹ: الملحمہ وہ آخری عظیم جنگ ہے جس کی پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے کی تھی، جو دجّال کی فوج اور عیسی علیہ السلام کی فوج کے درمیان ہو گی؛ اور مسلمان یہ جنگ جیت جائیں گے اور اس لمحے سے ساری دنیا پر قابض ہو جائیں گے۔)

چنانچہ یہ آنے والی جنگ یا تو مکمل طور پر فتح یا پھر مکمل شکست پر منتج ہونے والی ہے اور الملحمہ کا حصہ ہے۔ یہ ایمان اور کفر کے درمیان ہونے والی آخری جنگ ہو گی؛ یہ ایک ایسی جنگ ہو گی جو امّتِ مسلمہ کو کامیابی سے ہمکنار کرے گی۔ البتّہ یہ تمام واقعات کی انتہاء نہیں ہے کیونکہ ابھی دجّال اور یاجوج ماجوج کا آنا باقی ہے، لیکن یہ جنگ بہر حال وہ جنگ ہو گی جو عالمی سطح پر خلافت کے قیام کا سبب بنے گی۔

چنانچہ یہ اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ ہم اس زمانے سے قریب تر ہو رہے ہیں۔ اب اگر ہم اس زمانے سے قریب تر ہو رہے ہیں، تو پھر یقینا آپ یہ پسند نہیں کریں گے کہ کنارے پر بیٹھے رہیں اور اس سنہرے دور میں اتنے سارے اجر سے محروم رہ جائیں؛ کیونکہ یہ واقعی ایک سنہرا دور ہے۔ ان احادیث (آگے نوٹ ملاحظہ فرمائیں) کو پڑھنے پر لوگ خواہش کریں گے کہ کاش وہ وہاں ہوتے، اور یہاں آج ہم اس دور میں رہتے ہوئے کنارے پر بیٹھے ہیں، بالکل جیسے شیخ عبد اللہ عزّام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا........ 'جہاد ایک ایسا بازار تھا جو کھلا، لوگوں نے بہت سارا پیسہ بنایا، اور پھر بازار بند ہو گیا'۔ یہ ہمیشہ کے لئے میسر نہیں رہے گا، اگر آپ پیچھے بیٹھے رہیں گے، ہچکچاتے رہیں گے، شش و پنج میں مبتلا رہیں گے، تو پھر آپ خسارے میں رہیں گے کیونکہ یہ نادر موقع صرف ایک مرتبہ ہی آنا ہے۔

(نوٹ: اس کی ایک مثال یہ حدیث ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، 'رسول اللہ ﷺ نے ہم سے غلبۂ ہند کا وعدہ فرمایا۔ اگر یہ واقع ہوا تو میں اپنی جان اور مال خرچ کر دوں گا۔ اگر میں مارا جاتا ہوں تو میں بہترین شہداء میں شمار ہوں گا۔ اور اگر میں واپس آتا ہوں تو پھر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (جہنم سے) آزاد ہوتا۔ (اسے احمد، النّسائی اور الحاکم نے روایت کیا ہے)

اگرچہ کہ یہ جہاد کا سنہری دور ہے، لیکن یہ اجر مفت میں تقسیم نہیں ہو گا؛ اس کے لئے بہت سے لوازمات درکار ہیں۔ چونکہ یہ اعلیٰ ترین درجات سے متعلق ہے اس لئے اس کے لئے اعلیٰ ترین قربانیاں درکار ہیں۔ اسی لئے صرف بہترین سے بہترین۔ وہ جنہیں اللہ عزّوجل نے چنا ہے۔ ہی اسے آخر تک نبھا سکیں گے کیونکہ آزمائشیں / فتن بہت سخت قسم کے ہیں۔

## 5 فتنوں کی شدّت کا ادراک

آپ کو ایک اشارہ دینے کے لئے کہ فتنے کی شدّت کیا ہو گی:

☆ **پہلا اشارہ:** اس فوج کے بارے میں جو الملحمہ میں رومیوں سے دوبدو ہو گی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا ایک تہائی حصہ پسپائی اختیار کر جائے گا۔ ذہن میں رکھیئے کہ یہ بہترین لوگوں میں سے ہوں گے کیونکہ صرف مؤمن ہی اس جنگ کے لئے نکلے گا، اس کے باوجود ان میں سے ایک تہائی پسپائی اختیار کر جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ عزّ و جل ان کی موت تک ان کی توبہ قبول نہیں فرمائیں گے۔ وہ مؤمنین ہیں جو اللہ کی راہ میں نکلے؛ وہ مجاہدین ہوں گے جو اگلی صفوں تک پہنچ جائیں گے مگر ان کے پسپا ہونے کی وجہ سے ان کی توبہ اللہ عزّ و جل کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہو گی۔ چنانچہ اتنا شدید ہو گا یہ فتنہ ٔ آزمائش!

ان خطرناک اوقات میں بقا کے لئے کسی بھی فرد کے لئے بے پناہ (مضبوط) ایمان بہت ضروری ہو گا۔ یہ ربی الخالی (شمالی یمن میں ایک بے پناہ وسیع و عریض صحراء ہے جہاں کوئی انسانی بود و باش نہیں) عبور کرنے کی مانند ہو؛ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کے پاس (گاڑی میں) ٹینک آدھا بھرا ہوا ہے یا ربع، اگر آپ کے پاس کافی مقدار میں (ایندھن) نہیں ہے اور آپ کی گاڑی منزل کے آخری کنارے تک پہنچنے سے پہلے جواب دے جاتی ہے تو پھر سمجھیں آپ کی ہلاکت طے ہے۔ آپ کے پاس تیس فیصد ہے، پچاس فیصد ہے یا اسّی فیصد، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، آپ کے پاس پورا سو فیصد ہونا لازمی ہے، بصورت دیگر موت ہے۔ آدھا خالی ٹینک ایسے ہی ہے جیسے بالکل خالی ٹینک: آپ کے پاس اس وقت کے لئے ایمان کا ایک مکمل لبریز ٹینک تیار ہونا چاہیئے کیونکہ وہ ایک خاص وقت اور خاص مقام ہو گا۔ اجر بہت عظیم ہو گا اور یہ کسی کو نہیں دیا جائے گا ماسوائے ثابت قدم لوگوں کے، اور ہم اللہ عزّ و جل سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے اگر ہم اس وقت زندہ ہوئے، آمین۔

☆ **دوسرا اشارہ:** ایک اور اشارہ کہ ہم ان وقتوں سے قریب تر پہنچ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ مغرب میں بنیاد پرستوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، اور دین کا ریاستی معاملات میں دخل بھی بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ نیوز ویک نے بش اور خدا پر ایک آرٹیکل لکھا اور انہوں نے چند مغربی مفکرین کو نقل کرتے ہوئے لکھا کہ امریکی خارجہ پالیسیوں کے بہت سے مختلف النوع (تغیر پذیر) پہلو اور مقاصد ہیں جو ان کا رخ متعین کر رہے ہیں، اور ان میں سے ایک 'دین' ہے۔ لیکن وہ کہہ رہے تھے کہ امریکی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہمیں یوں محسوس ہو رہا ہے کہ دینی مقاصد ہی کچھ امریکی خارجہ پالیسیوں کے پس پردہ بنیادی وجہ ہوں گے۔ بش نے ایک مرتبہ محمود

عباس کو بتایا کہ 'خدا نے مجھے افغانستان جانے کا کہا ہے۔' سو یہ خدا تھا (جس نے اسے کہا تھا)، کانگریس یا امریکی عوام یا قانون نہیں؛ چنانچہ وہ اس لئے وہاں گیا کہ یہ 'خدا کی جانب سے حکم' تھا۔

ڈنمارک۔ جو غالباً تمام مغربی ممالک میں سب سے زیادہ لادین ملک ہے۔ وہ جگہ تھی جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی کا سلسلہ شروع ہوا۔ کسی نے سوچا تک نہیں تھا کہ ڈنمارک، ایک چھوٹا سا ملک، ایک اتنے عظیم مسئلے کا سبب بن جائے گا۔ ایک ایسا مسئلہ کہ جو ابھی تک ختم نہیں ہوا اور جو امّت مسلمہ کے خلاف سارے مغرب کے متحد ہو جانے کا مصدر بن جائے گا۔ مغرب نے ڈنمارک کی سرکاری سطح پر حمایت کی، اور مغربی ممالک کی عوام الناس بھی جو کچھ ڈنمارک میں ہوا اس کی موافقت میں کھڑی ہے۔ اور یہ خوب عیاں ہے۔ کیونکہ سویڈن کی وزیر خارجہ کو اپنے منصب سے اس وقت استعفیٰ دینا پڑ گیا جب اس نے اس ویب سائٹ کو بند کیا جس پر گستاخانہ خاکے شائع کئے گئے تھے۔ اس کو عوامی دباؤ کے تحت استعفیٰ دینا پڑا اور اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے۔

(نوٹ: یہ اس واقعے کی جانب اشارہ ہے جب ڈنمارک میں ایک کارٹون نگار نے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکے بنا کر ان کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا۔)

پس مسلمانوں کے ساتھ معاملات کے حوالے سے مغرب بنیاد پرستی کی انتہاء پر پہنچ رہا ہے؛ یہ ایسا نہیں ہے کہ وہ یکدم دیندار لوگ بننے لگے ہیں۔ وہ دیندار لوگ نہیں ہیں، وہ موجودہ بائبل / انجیل کی تعلیمات سے دور ترین ہیں۔ لیکن جب مسلمانوں سے معاملات کی ہوتی ہے تو وہ انتہائی دیندار ہو جاتے ہیں۔

☆ **تیسرا اشارہ:** آپ کو مذہبی رہنماؤں کے بیانات ملیں گے، مثلاً، امریکہ میں فرینکلن گراہم ( Franklin Graham )جو بِلی گراہم ( Billy Graham ) - جو کہ امریکہ کے معروف ترین مبلغین انجیل میں سے ایک ہے - کا بیٹا ہے، ایسے بیانات دیتا ہے کہ 'اسلام دینِ شر ہے' ۔ پھر پاٹ( Pat Robertson ) یہ کہتے ہوئے پایا جاتا ہے کہ مسلمان یاجوج ماجوج ہیں۔

ایسے بیانات میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، یہ کم نہیں ہو رہے، بڑھتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ ایک اشارہ ہے کہ ہم الملحمہ سے قریب تر ہو رہے ہیں کیونکہ الملحمہ کے لئے نفسیاتی تیاری جاری ہے۔ کوئی بھی جنگ میدان میں پہنچنے سے پہلے دلوں میں شروع ہوتی ہے۔ پہلے دلوں میں ایک تحریک / جذبے کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور مغرب میں یہ جذبہ اب تعمیر ہونا شروع ہو گیا ہے۔

☆ **چوتھا اشارہ:** اس سے قبل کہ اللہ عزّوجل امّت کو بلند مقام عطا کریں، امّت کو آخری منزل تک پہنچنے سے پہلے کئی منازل سے گذرنا ہے؛ یہ ریل گاڑی کی سواری جیسے ہے جس میں آپ کو پہلے اسٹیشن، پھر دوسرے اسٹیشن، اور پھر تیسرے اسٹیشن سے گذرنا ہوتا ہے۔ اس امّت کو بھی چند منازل سے گذرنا ہے اور ان میں سے ایک 'الابتلاء' (فتن اور آزمائشیں) ہے۔
اللہ عزّوجل فرماتے ہیں،

﴿اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَ لَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَ لَمۡ يَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوۡلِهٖ وَ لَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلِيۡجَةً﴾

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو معلوم ہی نہیں کیا جو جہاد کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی کو دوست نہیں بناتے، اور اللہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے۔(التوبۃ9:16)

چنانچہ یہ دو منازل ہیں جو آپ کو جنّت میں داخل ہونے سے پہلے اور دنیا میں بلند مقام قائم ہونے سے پہلے طے کرنی ہیں: جہاد فی سبیل اللہ اور الولاء والبراء۔ (نوٹ: الولاء کے معنی ہیں کہ صرف اللہ کی خاطر اخلاص اور دوستی۔ البراء کے معنی ہیں صرف اللہ کی خاطر دشمنی اور نفرت۔ مسلمانوں کی اکثریت اس سے حد درجہ لاعلم ہے کیونکہ ہم ان میں سے اکثریت کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ ہمیں ہر کسی سے نرمی اور محبت کا رویہ رکھنا چاہئیے؛ حالانکہ ایسا کہنا بالکل کفر ہے کیونکہ ہماری مکمل وفاداری اور اطاعت اللہ کے لئے ہے اور ہمیں حکم ہے کہ جس سے وہ نفرت کرے ہم بھی اس سے نفرت کریں۔ شیخ ابو محمد المقدسی (فک اللہ اسرہ) نے اس پر ایک انتہائی عمدہ کتاب لکھی جس کا عنوان 'ملّت ابراہیم' ہے اور یہ انگریزی زبان میں ترجمہ کی جا چکی ہے۔ قارئین کو یہ اہم کتاب ضرور پڑھنی چاہئیے۔)

سو ان دونوں مسائل کے واضح اور حل ہونے سے قبل زمین پر اختیار قائم نہیں ہو سکتا۔ امّت کو جہاد فی سبیل اللہ لڑنا ہو گا اور امّت کو یہ واضح طور پر سمجھنا ہو گا کہ ان کی ولاء (ولایت، وفاداری) اللہ عزّوجل، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور مؤمنین کے لئے ہے ؛ اور انہیں شیطان اور کفّار سے قطع تعلق کرنا اور ان سے دور رہنا ہو گا۔

پس بعض علماء، اسلامی تحریکیں اور مسلمان ان دو منازل سے دور بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن اگر آپ تمکین (اختیار) حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان دونوں منازل سے بھاگنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ؛ اور اس وقت امّت اس آزمائش سے دوچار ہے۔ اللہ عزّوجل اس امّت کا امتحان لے رہے ہیں اور ہمیں ایسی صورت احوال میں جابجاڈالا جارہا ہے کہ جن میں ہمیں ایمان اور کفر میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ اس امتحان کا حصہ ہے اور یہ امتحان اعلیٰ طبقات سے شروع ہوتا اور پھر بتدریج ادنی درجوں کی جانب جاتا ہے۔ سو یہ بادشاہوں، صدور اور علماء سے شروع ہوتا ہے اور پھر ان سے اگلے لوگوں کی جانب بڑھتا ہے۔ بادشاہوں کا امتحان تو ختم ہو چکا؛ وہ پہلے ہی کفار کو منتخب کر چکے ہیں ؛ واللہ اعلم۔ مجھے یقین ہے کہ سب کے نتائج کا اعلان ہو چکا ہے۔ اب علماء امتحانی دور سے گذر رہے ہیں، اور ان کا امتحان لیا جارہا ہے۔ آپ یا ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے مخالف ہیں۔ بش ان کو اس امتحان میں ڈال رہا ہے اور اس مقصد کے لئے وہ ان کے بادشاہ اور صدور متعین کر رہا ہے، جو بش کے پولیس افسر ہونے کے سوا کچھ نہیں ہیں، تاکہ اس کے کام کی سر انجام دہی کر سکیں۔

آپ یا ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے مخالف ؛ آپ کو ایک انتخاب کرنا ہے۔ آپ باڑ کے دونوں جانب کھڑے نہیں ہو سکتے ؛ اب آپ کو ایک طرف اختیار کرنی ہے۔ آج سے دس سال قبل یہ ممکن تھا کہ آپ جہاد فی سبیل اللہ پر خطبہ دیتے اور اس کے بعد رات کا کھانا بادشاہ کے ہمراہ تناول کرتے۔ لیکن اب آپ دونوں کردار اکٹھے ادا نہیں کر سکتے ؛ آپ کو اب یہ واضح کرنا ہے کہ آپ کس کے ساتھ ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابتلاء اس وقت تک جاری رہے گا حتیٰ کہ دونوں گروہ قطعی طور پر علیحدہ ہو جائیں گے ؛ ایک گروہ جس میں ایمان ہو گا اور نفاق نہیں ہو گا اور ایک گروہ جس میں کفر ہو گا اور ایمان نہیں ہو گا۔

اب معاملات الجھ چکے ہیں؛ اور امّت کا اختیار اس وقت تک قائم نہیں ہو گا جب تک یہ الجھن دور نہیں ہو گی۔ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ 'فی ظلال القرآن میں فرماتے ہیں کہ:

'اللہ عزّوجل اس وقت تک زمین پر اختیار عطا نہیں فرمائیں گے جب تک یہ واضح نہیں ہو جاتا کہ کون اس کے ساتھ ہے اور کون اس کے خلاف۔'

جب تک امّت الجھی ہوئی ہے یہ اختیار قائم نہیں ہو گا۔ سو اب امّت کو مؤمنوں اور منافقوں میں تقسیم ہونے کی ضرورت ہے۔(نوٹ: سبحان اللہ، بہت سے جاہل / لاعلم مسلمان مرتدین اور کھلم کھلا منافقین کے لئے نرمی کی بات کرتے ہیں۔ کچھ تو ان کافرین کے لئے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لڑ رہے ہیں، تک کے لئے نرمی کی بات کرتے ہیں۔ یہ نرمی کہاں تک جائے گی؟ یہ ایسے ہے کہ جیسے 'البراء ' کا اب ہمارے عقیدے میں سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے!) اللہ عزّوجل نے بش کو اس امتحان کے حصے کے طور پر مقدر کیا ہے؛ وہ لوگوں کو امتحان میں ڈال رہا ہے۔ ایک جانب بش امّت کو امتحان میں ڈال رہا ہے اور دوسری جانب مجاہدین امّت کو امتحان میں ڈال رہے ہیں۔

سو اب آپ کے پاس ایک جانب مجاہدین ہیں اور دوسری جانب بش (واوباما) ہے اور وہ لوگوں کو اپنے گروہ کی جانب راغب کر رہے ہیں، اور اسی کو امریکی 'اذہان و قلوب کی جنگ' قرار دیتے ہیں۔ یہ واقعی حق و باطل کے درمیان جنگ ہے۔ اللہ عزّوجل فرماتے ہیں،

﴿وَ مَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ﴾

اور جو اللہ، اس کے رسول اور ایمان والوں کو ساتھی بناتے ہیں تو اللہ کا وہ گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔(المائدہ56:5)

سو اللہ کا یہ گروہ تب تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک الولاء کا معاملہ درست نہیں ہوتا۔ مؤمنین کے لئے ولاء۔

مختصراً، اگر اللہ عزّوجل کو کوئی امر منظور ہوتا ہے تو وہ اس کے اسباب تخلیق فرما دیتے ہیں؛ ہم نے اس اصول کے تین نکات کا ذکر کیا ہے؛ بعاث، جو کچھ فارس میں ہوا، اور پھر صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے وقت کی مثال۔

ہم نے یہ بھی کہا،

1 تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔
2 اللہ خاص علاقوں کو تیار فرمارہے ہیں۔
3 مغرب میں بنیاد پرستی میں اضافہ ہو رہا ہے۔
1 امّت کو اختیار کے حصول سے پہلے چند منازل سے گذرنا ہے۔

## 6 امّت کے مسائل کا حل

سو ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ ہمیں ایک مسئلہ درپیش ہے۔ امّت میں ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ امّت مسئلے کا شکار ہے لیکن ہمارا حل پر اختلاف ہے۔ جب ہمارے پاس قرآن اور سنت ہے تو پھر ہم میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیئے جب جواب قرآن و سنت میں موجود ہے۔

تو پھر ہمارے مسئلے کا حل کیا ہے؟ حل ایک حدیث میں بتایا گیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:
"جب تم سودی تجارت (عینہ) کرنے لگوگے اور گائے بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے، اور کھیتی باڑی (کی زندگی) میں (مگن ہو کر) مطمئن ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تمہارے اوپر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جو وہ اس وقت تک نہیں ہٹائے گا جب تک تم اپنے اصل دین (حقیقی اسلام) کی طرف واپس نہ لوٹ آؤ"۔
(عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ سنن ابو داؤد: کتاب 32، نمبر 3455 اور صحیح الجامع نمبر 688 اور احمد نمبر 4825 اور ابو امیّہ الطرسوسی میں 'مسند ابن عمر' نمبر 22 میں ہے۔)

یہ حدیث ہمیں مسئلہ اور اس کا حل بتاتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے، آج کچھ مسلمان اسے حل کہتے ہیں۔ تو پھر مسئلہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم کاروبار اور کھیتی باڑی اور مال مویشیوں میں مصروف ہو جاؤ گے اور تم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دو گے تو تم ذلیل و خوار کر دیئے جاؤ گے۔

سو مسلمان کہتے ہیں کہ اس امّت کی کامیابی کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم صنعت، کاشتکاری، تجارت میں دوسری اقوام کے طریقے اپنا لیں تو پھر ہم ان جیسے ہو جائیں گے اور ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ اگر ہم کاروبار، کاشتکاری، ٹیکنالوجی وغیرہ میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ امّت کے لئے حل ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ یہ مسئلہ ہے!

کچھ مسلمان کہتے ہیں کہ اس امّت کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو دہشتگردی سے دور رکھے، اور اپنا وقت کاروبار، ٹیکنالوجی، کاشتکاری، اور دیگر معاملات میں بہتر بنانے کی طرف صرف کرے، اور اس طرح ہم باقی دنیا سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ غلط ہے، اور اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ عزّوجل ہمیں رسوا کر دیں گے۔ اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے سے نکلنے کا اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ۔ اس حدیث کے مفسرین کہتے ہیں کہ دین کی طرف لوٹنے کا مطلب خصوصاً جہاد فی سبیل اللہ کی طرف لوٹنا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جہاد کو چھوڑنا دین کو چھوڑنا ہے لہٰذا دین کی جانب واپس جانے کا واحد راستہ جہاد فی سبیل اللہ کی جانب واپس جانا ہے؛ پس جہاد دین کے برابر ہو گیا۔ چنانچہ یہی حل ہے؛ اس امّت کا حل جہاد فی سبیل اللہ کی طرف واپس جانا ہے۔

ابن رجب الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ایک سلف سے پوچھا گیا کہ 'آپ اپنے اور اپنے خاندان کے لئے ایک زرعی زمین کیوں نہیں لے لیتے؟' انہوں نے کہا، ''اللہ عزّوجل نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں مزارع کو قتل کر کے اس کی زرعی زمین لے لوں''۔

جب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اردن میں جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے مالِ غنیمت کے طور پر حاصل ہونے والی انتہائی زرخیز زمینوں کی کاشتکاری میں مصروف ہو گئے ہیں، تو وہ فصل پکنے تک انتظار کرتے رہے اور پھر حکم دیا کہ ساری زمینیں جلا دی جائیں۔ پس کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم شکایت کرتے ہوئے آئے تو انہوں نے کہا:

''یہ اہل کتاب کا کام ہے، تمہارا کام جہاد فی سبیل اللہ لڑنا ہے اور اللہ کے دین کو پھیلانا ہے''۔

یعنی تم کھیتی باڑی اہلِ کتاب پر چھوڑ دو اور خود جا کر اللہ عزّوجل کا دین پھیلاؤ؛ وہ کھیتی باڑی کریں گے اور تمہیں کھلائیں گے؛ وہ جزیہ (ٹیکس جو کفار خلافت کے تحت ادا کرتے ہیں) ادا کریں گے، خراج (زرعی زمین پر لاگو ٹیکس) ادا کریں گے، کیونکہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا، "میرا رزق میری برچھی کے سائے میں ہے"۔ ' (احمد اور الطبرانی نے اسے روایت کیا ہے۔ یہ صحیح گردانی جاتی ہے۔ صحیح الجامع الصغیر نمبر 2828)

سو اگر رسول اللہ ﷺ کا رزق مالِ غنیمت کے ذریعے سے تھا تو پھر یہ رزق کی بہترین صورت ہو گی جو کاشتکاری، کاروبار، گلّہ بانی یا کسی بھی اور ذریعے سے حاصل کئے جانے والے رزق سے بہتر، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرا رزق میری برچھی کے سائے میں ہے"۔

الجیش الاسلامی (عراق میں اسلامی فوج) کے ترجمان کا ایک انٹرویو تھا۔ جب اس سے پوچھا گیا، 'آپ کے مالی اسباب وذرائع (ذریعۂ معاش) کیا ہیں؟' تو اس نے جواب دیا، "ہمارا ذریعۂ معاش مالِ غنیمت ہے، لیکن اگر مسلمان ہمیں چندے دینے چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔ پس وہ بھکاری نہیں بنیں گے، وہ اپنا جہاد فی سبیل اللہ مالِ غنیمت کے ذریعے سے جاری رکھیں گے۔

چنانچہ امّت کے لئے حل جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے۔ جب امّت اس عبادت کا احیاء کرتی ہے تو یہ بات باعثِ استہزاء بن جاتی ہے؛ جہاد فی سبیل اللہ مذاق بن جاتا ہے۔ لوگ اس سے اس لئے دور بھاگتے ہیں کہ وہ اسے جان و مال کے ضیاع کا سبب سمجھتے ہیں؛ آپ جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی جان اور اپنا مال گنوا سکتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ (درحقیقت معاملہ الٹ ہے اور وہ یہ کہ) جب امّت جہاد فی سبیل اللہ کرتی ہے تو یہ مالدار ترین ہو جاتی ہے اور جب امّت جہاد فی سبیل اللہ کرتی ہے تو پھر سب سے کم اموات امّت میں ہی ہوتی ہیں۔

اگر ہم شرح اموات کا ایک گراف بنائیں، تو آپ دیکھیں گے کہ جب امّت جہاد فی سبیل اللہ لڑ رہی تھی تو بہت کم مسلمان مر رہے تھے لیکن جب امّت نے جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیا تو شرح اموات لاکھوں میں چلی گئی۔ اگر ہم مالی حالات کا خط کھینچیں تو بھی آپ دیکھیں گے کہ امّت جہاد فی سبیل اللہ کے اوقات میں مالدار ترین ہے، اور جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دینے کے بعد نادار ترین ہو جاتی ہے۔

اسلامی ریاست کی تاریخ منفرد ہے؛ یہ واحد ریاست ہے جس نے اپنی عوام پر ٹیکس لاگو نہیں کئے۔ اس نے کیوں اپنی عوام پر ٹیکس لاگو نہیں کئے؟ کیونکہ اس کے پاس جزیہ، خراج، غنیمت اور فئے سے حاصل ہونے والی آمدن تھی۔ (فئے وہ مال ہے جو

کافروں سے جنگ لڑے بغیر حاصل کیا جاتا ہے۔ جیسے کافر مسلمانوں کے خوف سے اپنے مقامات چھوڑ کر بھاگ نکلیں اور پیچھے مال چھوڑ جائیں، یا پھر وہ لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیں، یا وہ جزیہ ادا کر دیں۔ فئے کی تقسیم امام کی منشا پر طے ہوتی ہے۔) یہ سب وہ آمدنیاں ہیں جو جہاد کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہیں؛ لہٰذا حکومت کو عوام سے ٹیکس لینے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن چونکہ اب مسلم امّت جہاد فی سبیل اللہ نہیں کر رہی، تو وہ اپنی عوام پر ٹیکس لگائے چلی جا رہی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''ٹیکس حرام ہے اور جو کوئی ٹیکس سے متعلق کسی ملازمت سے منسوب ہے وہ ملعون ہے''۔

پس حل بالکل سامنے ہے اور ضرورت صرف اس امر کی ہے لوگ جاگ جائیں اور اس آسان سی حدیث کو پڑھ کر اس پر عمل کریں۔

ترجمہ: بنت الاسلام حفظہا اللہ

انٹرنیٹ ایڈیشن:

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان
Website: http://www.muwahideen.co.nr
Email: salafi.man@live.com